خدام اہلسنت کی دعاء

از حضرت مولینا قاضی مظہر حسین صاحب بانی تحریک خدام اہل السنت پاکستان

۲، محرم ۱۳۹۳ھ ——— ۶، فروری سن ۱۹

خدایا اہلِ سنت کو جہاں میں کامرانی دے
خلوص و صبر و ہمت اور دیں کی حکمرانی دے

تیرے قرآں کی عظمت سے پھر سینوں کو گرمائیں
رسول اللہ کی سنت کا ہر سو نور پھیلائیں

وہ منوائیں نبیؐ کے چار یاروں کی صداقت کو
ابوبکرؓ و عمرؓ ۔ عثمانؓ و حیدرؓ کی خلافت کو

صحابہؓ اور اہلِ بیتؓ سب کی شان سمجھائیں
وہ ازواجؓ نبیؐ پاک کی ہر شان منوائیں

حسنؓ کی اور حسینؓ کی پیروی بھی کر عطا ہم کو
تو اپنے اولیاء کی بھی محبت دے خدایا ہم کو

صحابہؓ نے کیا تھا پرچمِ اسلام کو بالا
انہوں نے کر دیا تھا روم و ایراں کو تہ و بالا

تیری نصرت سے پھر ہم پرچمِ اسلام لہرائیں
کسی میدان میں بھی دشمنوں سے ہم نہ گھبرائیں

تیرے کُن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل
عروج و فتح و شوکت اور دیں کا غلبۂ کامل

ہوا آئینی تحفظ[1] ملک میں ختمِ نبوت کو
مٹا دیں ہم تیری نصرت سے انگریزی نبوت کو

تو سب خدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی
رسولِ پاکؐ کی عظمت، محبت اور اطاعت کی

ہماری زندگی تیری رضا میں صرف ہو جائے
تیری راہ میں ہر اک سنی مسلماں فنا ہو جائے

تیری توفیق سے ہم اہلِ سنت کے رہیں خادم
ہمیشہ دینِ حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم

نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہرؔ ناداں
تیری نصرت ہو دنیا میں قیامت میں تیری غفراں

---

[1] الحمد للہ تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ مطالبہ منظور ہو چکا ہے اور آئین پاکستان میں قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کے دو نو گروہوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلافت راشدہ حق چار یارؓ

نظام خلافت راشدہ زندہ باد
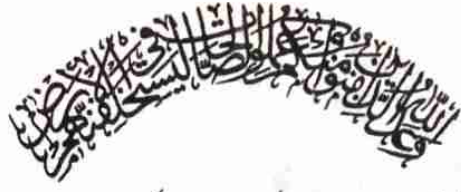
تحریکِ خدام اہلسنت والجماعۃ پاکستان کا ترجمان
نظامِ خلافتِ راشدہ کا داعی

ماہنامہ

حق چار یار رضی اللہ عنہم

لاہور

زیرسرپرستی

قائد اہلسنت وکیل صحابہؓ مظہر شریعۃ وطریقت حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ

بانی و امیر تحریکِ خدام اہلسنت پاکستان، چکوال فون نمبر ۲۴۳۴

مدیر مسئول

حکیم حافظ محمد طیب

جلد : ۲ شمارہ : ۵-۶ جمادی الاولیٰ/جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ دسمبر ۸۹ء جنوری ۱۹۹۰ء سالانہ چندہ -/۶۰ روپے فی شمارہ -/۶ روپے

سالانہ بدل اشتراک برائے بیرون ممالک بذریعہ ہوائی جہاز رجسٹری

ریاستہائے متحدہ امریکہ -/۲۲۰ روپے

ہانگ کانگ، نائیجیریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، برطانیہ، جنوبی افریقہ
ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ۔ -/۱۸۰ روپے

سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت -/۱۵۰ روپے

رابطہ: دفتر ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور۔ مدینہ بازار، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور فون نمبر ۴۱۶۱۰۷

ناشر: حکیم حافظ محمد طیب، مطبع افضل شریف پرنٹرز، مقام اشاعت دفتر ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور مدینہ بازار ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور
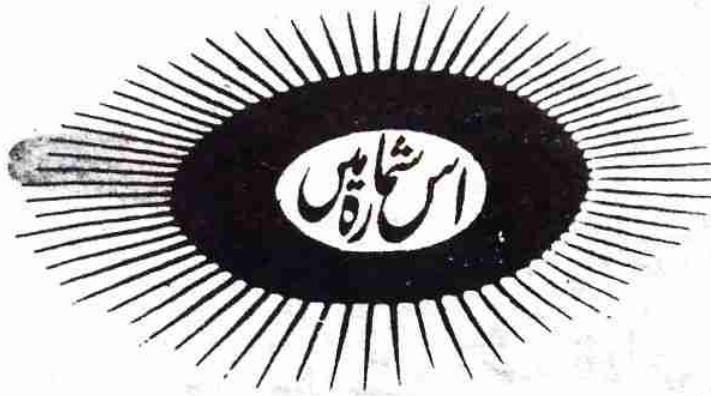
عنوان	مصنف	صفحہ
معجزاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عصرِ حاضر	مولانا قاضی مظہر حسین	۳
حمدِ ربِّ جہاں	بیچین رجپوری (بدایونی)	۱۴
خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیت رض کے تعلقات	مولانا عتیق احمد قاسمی	۱۵
صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے طفیل	سرور میواتی	۲۷
فدایانِ اسلام حضرات صحابہ کرام رض کی داستانِ خوں چکاں	مولانا علامہ محمد عبد المعبود	۲۸
صداقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبولیت صحابۂ کرام رض اور خلفاءِ راشدین رض	مولانا سید اسعد مدنی	۳۹
حضرات صحابہ کرام رض کے واقعات اور ازالۂ شبہات	حضرت تھانوی رح	۴۹
ماہنامہ "حق چار یار رض" پڑھنے والے لکھتے ہیں		۵۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اھدنا الصراط المستقیم

معجزاتِ نبویؐ اور عصرِ حاضر

ماہنامہ حق چار یارؓ کے ربیع الثانی کے شمارے میں مندرجہ عنوان کے تحت حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ان معجزات کا ذکر تھا جو پاکستان اور ترکی میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں افادۂ قارئین کے لیے یہاں بحوالہ ہفت روزہ "تکبیر" (کراچی) ایک ایسا معجزہ پیش کیا جاتا ہے جس کا تعلق حضرت فاطمۃ الزہرارضی اللہ عنہا سے ہے :

"جنّت البقیع سے دخترِ رسولؐ کا جسدِ مبارک چوری کرنے کی سازش"

سازش جنرل ضیار الحق کے تعاون سے ناکام بنائی گئی تھی

حکومت نے سازش میں ملوّث تمام افراد کو بم سے اُڑا دیا

ہفت روزہ "الصادق" بہاولپور نے مشرقِ وسطیٰ میں طویل عرصے سے مقیم اہلِ قلم جناب اقبال سہیل کے حوالے سے انکشاف کیا ہے کہ عالمِ اسلام کے ایک مفکّر نے ۱۹۸۵ء میں مراکش سے مدینہ منوّرہ پہنچنے کے بعد خواب میں دو بار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور انہیں اُداس پایا تھا جس کے بعد مراکش کے ایک عالمِ دین کے مشورہ پروہ کراچی آگئے اور انہوں نے اُس وقت کے صدر مرحوم جنرل ضیار الحق سے رابطہ کیا جس پر ضیار الحق کراچی پہنچے اور اس مفکّر کی جانب سے خواب کی تفصیل سُننے کے بعد بہت دیر تک روتے رہے پھر فوری طور پر اجازت طلب کر کے اسلام آباد پہنچے اور جاتے ہی شاہ فہد سے فون پر رابطہ کر کے حرمین شریفین کے حفاظتی معاملات کے لیے پاکستان کی خدمات پیش کیں جو شاہ فہد نے منظور کر لیں۔ چنانچہ پاکستان کے کمانڈوز کا ایک تربیت یافتہ دستہ مدینہ منوّرہ بھیجا گیا جس نے جنت البقیع کی ایک قبر کے نزدیک سے آنے والی آوازوں پر تفتیش کی اور علمارِ مدینہ اور امام حرم نبوی کے فتووں کے بعد وہ جگہ کھودی گئی تو کھودنے والا دھڑام سے اندر جا پڑا۔ چنانچہ سارے فوجی اندر کُود گئے۔

پہلے گرنے والے کو ایک گولی لگی۔ یہ ایک سرنگ تھی جس میں روشنی کا زبردست انتظام تھا۔ یہ خندق جنت البقیع کے عقب میں ایک بڑے ہوٹل میں جا نکلتی تھی۔ مکمل معلومات پر پتہ چلا کہ یہ ہوٹل ایک بیوہ کا ہے اور اس وقت یہاں کوئی دو ڈھائی سو کے لگ بھگ ایک مخصوص فرقے اور مخصوص ملک کے لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ سعودی حکومت نے یہ عمارت بم سے اڑا دی۔ بعد ازاں بلڈوزروں کی مدد سے زمین ہموار کر دی۔ اس طرح یہ عمارت اپنے مکینوں سمیت زمیں بوس ہو گئی۔ سعودی حکومت نے مکان کی بیوہ مالکہ کو گرفتار کر لیا اور ضروری قانونی اور شرعی کارروائی کی۔ سعودی حکومت نے اس ضمن میں جو رپورٹ مرتب کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ یہ مخصوص فرقہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے جسد مبارک کو اپنے ملک میں منتقل کرنا چاہتا تھا نیز جنت البقیع میں دیگر اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبروں کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرنا چاہتا تھا۔ پنجاب کے اخبار "الصادق" نے بتایا ہے کہ لبنان سے شائع ہونے والے عربی کے معروف ہفت روزہ " المجلۃ العربیہ" مورخہ ۱۲ تا ۱۹ اپریل ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں اس مخصوص ملک کے مخصوص فرقہ کے عزائم اور اس کی کوششوں کی پوری کہانی تصاویر کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔" (بشکریہ تکبیر ۱۵ تا ۲۱ دسمبر ۱۹۸۹ء)

تبصرہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں۔ حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہرا۔ یہ چاروں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ عنہا کے بطن مبارک سے ہیں۔ (ملاحظہ ہو اصول کافی۔ مؤلفہ شیخ محمد یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ) حیات القلوب (مؤلفہ شیعہ رئیس المحدثین باقر مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ) اور رکنز الانساب وغیرہ۔

اور اہل تشیع کی مستند کتاب تحفۃ العوام میں تو حضرت فاطمۃ الزہرا پر درود پڑھنے کے علاوہ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم پر بھی درود پڑھا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: (۱) اللھم صل علی فاطمۃ بنت نبیک محمد علیہ وعلیٰ آلہ السلام" (تحفۃ العوام حصہ اول ص ۱۱۱ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۹۳۱ء) اے اللہ درود بھیج اپنے نبی محمد علیہ وعلی آلہ السلام کی بیٹی فاطمہ پر" (۲) اللھم صل علی رقیۃ بنت نبیک (ایضاً ص ۱۱۲) اے اللہ درود بھیج اوپر اپنے نبیؐ کی بیٹی رُقیہ پر" (۳) اللھم صل علی ام کلثوم بنت نبیک (ایضاً ص ۱۱۲) اے اللہ درود بھیج اوپر اپنے نبیؐ کی بیٹی ام کلثوم پر۔

درود کے مندرجہ الفاظ سے ثابت ہوا کہ جس طرح حضرت فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اسی طرح حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں ہیں اور ان تینوں پر بلاواسطہ درود بھیجا گیا۔ علاوہ ازیں یہ بھی مذہب شیعہ کی مستند کتابوں سے ثابت ہے کہ نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دونوں صاحبزادیوں یعنی حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوا ہے۔ اگر حضرت علی المرتضٰی حضرت فاطمۃ الزہراء سے نکاح کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں تو حضرت عثمان ذوالنورین رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد ہیں اور اسی بنا پر آپ ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہیں اور حضرت علی المرتضٰی رض نے بھی آپ کے دامادِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ نہج البلاغۃ میں ہے کہ حضرت علی المرتضٰی رض نے حضرت عثمان رض ذوالنورین سے فرمایا: انت اقرب الی رسول اللہ وشیجۃ رحم وقد نلت من صہرہ مالم ینالا۔ ایک شیعہ مصنف مرزا یوسف حسین اس کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاندانی قرابت کے لحاظ سے ان دونوں (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض) سے زیادہ قریب ہو اور ایک طرح کی ان کی دامادی بھی تمہیں حاصل ہے جو انہیں حاصل نہ تھی۔" (نہج البلاغۃ مترجم خطبہ ۱۶۳ ص ۴۹۲ ناشر شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور)۔ مرزا یوسف حسین صاحب نے اپنی شیعی عادت کے مطابق حضرت علی المرتضٰی رض کے اس قول قَدْ نِلْتَ مِنْ صِہْرِہٖ کا ترجمہ: "ایک طرح ان کی دامادی" کیا ہے۔ بھلا بتایئے کہ یہ "ایک طرح کی" کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ پھر ص ۴۹۶ پر مرزا صاحب اس کے متعلق مزید خامہ فرسائی یوں کرتے ہیں کہ: "چاہے بر درد سہی مگر آنحضرت کے گھر کی لڑکیاں تم سے منسوب ہوئیں نہ کہ ان سے۔" مرزا صاحب نے یہاں تقیہ سے کام لیا ہے۔ ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو آپ کے دامادِ رسول ہونے کا اعتراف فرمایا وہ بھی از روئے تقیہ تھا ورنہ اگر حضرت علی رض المرتضٰی تقیہ نہ کرتے تو حضرت عثمان رض کے دامادِ رسول ہونے کا اعتراف ہی کیوں کرتے۔ کیونکہ حقیقی داماد تو وہی ہوتا ہے جس کو کوئی حقیقی بیٹی دیتا ہے۔ یہ تقیہ ایسی بلا ہے کہ کسی جگہ ان حضرات کو نہیں چھوڑتی۔ چنانچہ اصول کافی میں شیخ یعقوب کلینی نے جو صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ رض سے یہ چاروں صاحبزادیاں پیدا ہوئیں تو اصول کافی کے مترجم مولوی ظفر حسن صاحب امروہوی

نے قوسین میں لکھ دیا کہ یہ ازروئے تقیہ لکھا گیا ہے اور شیخ یعقوب کلینی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی تاریخ پیدائش ۱۲ ربیع الاول لکھی تو شیعہ علماء نے یہ فرمادیا کہ یہ تاریخ بھی انہوں نے ازروئے تقیہ
لکھی ہے ورنہ اہلِ تشیع کا اس بات پر اجماع ہے کہ تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول ہے۔ چنانچہ اس کی
تفصیل میں نے ماہنامہ حق چار یارؓ کے ربیع الاول کے شمارہ میں لکھ دی ہے جو قابلِ ملاحظہ ہے اور
یہ بھی حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ کی کتابوں میں عموماً چار صاحبزادیوں ہی کا ذکر
ہے اور حضرت فاطمۃ الزہراء کا نام یعنی تین صاحبزادیوں کے بعد میں آتا ہے اور ان چاروں کی قبریں بھی
جنت البقیع میں ہیں رضوان اللہ علیہن۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ بالفرض اگر حضرت رقیہ و حضرت ام کلثوم
پروردہ بھتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پروردہ بچیوں کا نکاح بھی کسی صالح اور متقی صحابہ سے
ہی کیا ہوگا اس دوسرے فرضی قول پر بھی تو حضرت عثمانؓ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب قرار پاتے ہیں۔
جنہیں سعودی حکومت حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کی قبر مبارک پر ماتم کرنے کی اجازت نہیں دیتی ان کا منصوبہ یہ
ہوگا کہ خاتونِ جنت کے جسد کو اپنے ملک میں لے جائیں اور پھر آزادی سے ان پر ماتم کرتے رہیں۔
"اور تکبیر" میں شائع شدہ خبر سے بھی یہی معلوم ہوا ہے کہ یہی دوسرا گروہ اس منصوبہ کا مرتکب ہوا ہے کیونکہ
اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ: نیز جنت البقیع میں دیگر اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبروں کے
ساتھ توہین آمیز سلوک کرنا چاہتا تھا" لیکن قادرِ مطلق نے معجزانہ طور پر دشمنانِ اصحاب و اہلِ بیت
(رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے شرمناک منصوبے کو خاک میں ملادیا اور وہ قہرِ الٰہی کی لپیٹ میں آکر
ہلاک ہوگئے۔

۵۵۷ھ کا ایک عظیم الشان معجزہ

"روضہ مقدسہ میں نقب لگانے والوں کی عبرتناک موت"۔
شیخ نور الدین علی بن احمد المصری السمہودیؒ متوفی ۹۱۱ھ نے
اپنی کتاب "وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ" میں یہ عبرت ناک واقعہ تفصیل سے لکھا ہے۔ بخوفِ طوالت ہم
اس کی عربی عبارت حذف کرکے صرف اس کا خلاصہ پیش کریں گے۔ سلطان نور الدین زنگی شہید رحمۃ اللہ علیہ
مصر کا ایک نمازی، متقی اور عادل بادشاہ گذرا ہے۔ ابن اثیرؒ نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ میں نے
اسلام کے پہلے اور اسلام کے بعد کے اپنے دور تک کے سلاطین کی تاریخوں میں مطالعہ کیا ہے
لیکن خلفائے راشدینؓ اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کے بعد میں نے نور الدین عادل بادشاہ سے بہتر

رت والا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا۔ سلطان نورالدینؒ عبادت گزار اور شب بیدار حکمران تھا۔ یہ ۵۵۰ھ کا واقعہ ہے کہ ایک رات تہجّد کی نماز سے فارغ ہو کر سلطان موصوف سوگیا تو خواب میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نیلی نیلی آنکھوں والے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے سلطان سے فرمایا کہ مجھے ان دونوں سے بچاؤ۔" اس خواب کے بعد سلطان سوگیا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہی ارشاد فرمایا۔ لیکن سلطان نہ سمجھ سکا اور پھر سوگیا تو تیسری بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی ارشاد فرمایا۔ اس پر سلطان گھبرا گیا اور اپنے ایک صالح وزیر جمال الدین موصلی سے اس خواب کا ذکر کیا تو اس نے مشورہ دیا کہ جلدی مدینہ منورّہ کی طرف چلنا چاہیئے۔ سلطان نے بیس رازدار خدّام ساتھ لیے اور تیز رفتار اونٹوں پر کثیر مال و اسباب لاد کر مدینہ منورّہ روانہ ہوگیا اور سولھویں ۱۶ دن کے بعد وہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ باوضو ہو کر روضہ مقدسّہ پر حاضری دی اور پھر مسجد نبوی میں بیٹھ گیا۔ وزیر موصوف نے اعلان کر دیا کہ سلطان اہلِ مدینہ کے اکرام میں انعامات دینا چاہتا ہے۔ اہلِ مدینہ سلطان کے پاس آ کر انعام وصول کرتے رہے۔ وہ سب کو اس نظر سے دیکھتا رہا کہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دو شخصوں کے متعلق فرمایا ہے ان میں وہ کون ہیں۔ آخر تک جب وہ دو شخص نظر نہ آئے تو پریشان ہُوا اور دریافت کیا کہ کیا کوئی اور شخص باقی رہ گیا ہے تو اس کو بتایا گیا کہ صرف دو شخص باقی رہ گئے ہیں جو نہیں آتے اور وہ کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے۔ وہ صالح بزرگ اور دولت مند ہیں۔ وہ خود محتاجوں پر اکثر صدقہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ بات سُن کر سلطان کو شرح صدر حاصل ہوگیا۔ اُس نے کہا کہ ان دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ لائے گئے۔ ان کو دیکھتے ہی سلطان نے پہچان لیا کہ یہ وہی دو شخص ہیں جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نشان دہی فرمائی تھی۔

سلطان نے ان سے دریافت کیا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم مغربی ممالک کے رہنے والے ہیں۔ حج کرنے کے لیے آئے تھے پھر ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں رہنا پسند کر لیا۔ پھر سلطان نے پوچھا کہ تم کہاں مقیم ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم رباط (سرائے) میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ سلطان ان کو وہاں لے گیا۔ ان کے حجرے میں جاکر غور و فکر کیا تو ثابت ہُوا کہ انہوں نے فرش کی چٹائی کے نیچے سے سرنگ نکالی ہوئی تھی۔ اس پر سلطان نے جب ان کی سخت پٹائی کی

تو انہوں نے حقیقتِ حال بتادی کہ ہم نصرانی (عیسائی) ہیں۔ عیسائیوں نے ہم کو اس مقصد کے لیے مال کثیر دے کر بھیجا ہے کہ ہم روضۂ مقدسہ سے جسد مبارک نکال کر لے جائیں۔ وہ رات کو سرنگ کھودتے تھے اور مٹی جنت البقیع میں ڈال دیتے تھے۔ سلطان نے ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیا اور وہ ہلاک کر دیے گئے۔ پھر سلطان نے روضۂ نبوی کے اردگرد پانی تک کھدوائی کرا کے اس کو سیسہ پگھلا کر بھر دیا تاکہ کوئی بدبخت دشمن رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی آئندہ نقب زنی کی ناپاک جسارت نہ کر سکے۔ (وفاء الوفاء جلد اوّل ص ۶۴۸/۶۵۰ مطبوعہ بیروت)

شیخین رضی اللہ عنہما کے دشمن بھی ہلاک کر دیے گئے

شیخ سمہودی مصری رحمہ اللہ نے ایک اور عجیب و غریب واقعہ شیخ محب الطبری کی کتاب "الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ" کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حلب (ملک شام) کے رہنے والے کچھ لوگ امیر مدینہ کے پاس آئے اور اس کو زرِ کثیر سے نواز کر اپنا یہ راز بتایا کہ وہ روضۂ نبوی میں سے شیخین (یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے اجساد نکال کر اپنے وطن لے جانے کا منصوبہ رکھتے ہیں اور تخریب کاری میں انہوں نے امیر مدینہ کی معاونت حاصل کر لی۔ مسجد نبوی کے جو خادم خاص تھے اور جن کا نام صواب تھا، ان کو بلوا کر امیر نے کہا کہ میرے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ وہ رات کو زیارت کے لیے آئیں گے۔ ان کے لیے مسجد نبوی کا دروازہ کھول دینا اور وہ جو کچھ بھی کریں ان سے مزاحمت نہ کرنا اس سے حضرت صواب رحمہ اللہ کو بڑی پریشانی ہوئی۔ رات کو مسجد نبوی میں دعائیں کرنے لگے۔ قریباً آدھی رات کو باب السلام کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ آپ دروازہ کھول کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ دروازہ سے چالیس آدمی داخل ہوئے جن کے پاس بیلچے، کدالیں اور مٹی پھینکنے والے ٹوکرے تھے اور روشنی کے لیے شمع بھی تھی۔ وہ لوگ روضۂ مقدسہ کی طرف بڑھے۔ ابھی وہ منبر شریف تک نہیں پہنچے تھے کہ زمین ان کو تمام آلات سمیت نگل گئی اور ان کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ ادھر امیر مدینہ ان کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ جب ان کی واپسی میں بہت دیر ہو گئی تو اس نے شیخ صواب رحمہ اللہ کو بلایا۔ آپ حاضر ہوئے تو اس نے ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا تو شیخ صواب رحمہ اللہ نے اس کے سامنے سارا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ خود جا کر دیکھ لیں کہ ان کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہا۔ (وفاء الوفاء جلد اوّل ص ۶۵۳)

یہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت

فاروقؓ کے بارے میں ظہور پذیر ہوا۔ جس جگہ وہ چالیس اعدائے شیخین دھنسائے گئے تھے وہاں بعد کی حکومتوں کی طرف سے بطورِ علامت سیاہ پتھر فرش میں لگایا گیا ہے تاکہ زائرین اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں اور ہم نے خود وہ نشان دیکھا ہے۔

شیخین رضؓ جنت کے ٹکڑے میں مدفون ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روضہ مقدسہ کے اندر حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ کی قبریں ہیں اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابی هريرة (رضی الله عنه) قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما بين بيتی ومنبری روضة من رياض الجنة ومنبری علی حوضی (مشکوٰۃ شریف بحوالہ بخاری ومسلم)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جو ٹکڑا ہے یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے۔"

علامہ علی قاری حنفی محدث اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: المراد فی بیت بیت سکناه وقیل قبره لما جاء فی حديث آخر ما بين قبری ومنبری ولا منافاة بينهما لان قبره فی بيته (بیت (گھر) سے مراد وہ گھر ہے جس میں حضورؐ رہائش رکھتے تھے اور بعض نے کہا کہ گھر سے مراد قبر ہے اور ان دونوں قولوں میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ قبر نبوی آپ کے گھر میں تھی)۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک اُسی حجرہ میں ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا اور اس میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری کے دن گزارے اور اسی میں وصال ہوا اور یہی اب روضہ مقدسہ ہے اور یہ شرف بھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حاصل ہے کہ آپؓ کا حجرہ قیامت تک کے لیے روضہ مقدسہ بن گیا۔

(۲) علامہ علی قاریؒ محدث اس حدیث کی شرح میں امام مالکؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: الروضة قطعة نقلت من الجنة وسنعودالیها وبست کسائر الارض تغنی وتذهب قال ابن حجر وهذا علیه الاکثر وهی من الجنة الان حقیقة وان لم تمتنع نحو الجوع لاتصافها بصفة دار الدنيا الخ (المرقان شرح المشکوٰۃ جلد دوم ص۱۹۱) یہ روضہ ایک ایسا

ٹکڑا ہے جو جنت سے لایا گیا ہے اور پھر جنت میں لوٹ جائے گا اور یہ زمین کے دوسرے ٹکڑوں کی طرح نہیں ہے کہ فنا ہو جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اکثر کا یہی قول ہے اور یہ ٹکڑا حقیقتاً جنت کا ہے اور گو جنت میں کسی کو بھوک پیاس نہیں لگے گی لیکن زمین پر یہ جگہ بھوک پیاس کو نہیں روکتی کیونکہ یہاں اس ٹکڑے کو زمین کی صفت اور تاثیر عطا کر دی گئی ہے۔

اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ شیعہ مذہب کی مستند ترین کتاب حدیث فروع کافی جلد اوّل میں بھی حدیث کے یہی الفاظ امام جعفر صادق سے مروی ہیں جو اہل سنت کی بخاری اور مسلم میں ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ما بین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ

ابو عبداللہ یعنی امام جعفر صادق سے مروی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے دوران جو ٹکڑا ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

اور علامہ علی قاری حنفیؒ نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا یہ قول بھی پیش کیا ہے کہ: ان فیہ قطعۃ من ---- ارض الجنۃ کما صح فی الحجر الاسود۔ مسجد نبویؐ میں ایک ایسا ٹکڑا ہے جو دراصل جنت کی زمین ہی کا ایک ٹکڑا ہے جیسا کہ حجر اسود کے بارے میں یہ بات صحیح ہے کہ یہ جنت کا ٹکڑا ہے جو زمین پر لایا گیا ہے اور قیامت میں پھر جنت میں شامل ہو جائے گا۔

روضۂ نبوی میں شیخینؓ کی معیّت

قرآن مجید میں فرمایا: محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم (سورہ الفتح آخری رکوع)

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ حضورؐ کی معیت میں ہیں وہ کفار پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں رحمدل ہیں (الآیۃ)

حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور صحبت میں رہنے والوں کی یہاں چند اعلیٰ صفات بیان فرمائی ہیں۔ یوں تو تمام اصحاب کرامؓ درجہ بدرجہ ان صفات کاملہ سے

متصف ہیں لیکن شیخین (حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق) کو اس صفت میں یہ خصوصی فضیلت حاصل ہے کہ وہ وفات کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں قیامت تک کے لیے روضہ مقدسہ میں آرام فرما ہیں اور ان کو اس معیتِ نبویؐ میں جو فیوضات حاصل ہیں وہ اور کسی صحابیؓ کو حاصل نہیں۔

ان کی اس معیتِ نبویؐ کا تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ یہ حضرات جسم سمیت اس جنت کے ٹکڑے میں آرام فرما ہیں جو قیامت میں جنت میں شامل کر دیا جائے گا اور روضہ مقدسہ کے متعلق جنت کا ٹکڑا ہونا نہ صرف حدیث اہل سنت بلکہ اہل تشیع کی کتاب حدیث سے بھی امام جعفر صادق کی روایت سے ثابت ہے یعنی حضرات شیخینؓ کے جنتی ہونے میں کسی اہلِ دین و دیانت کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

قیامت میں شیخینؓ رسول اللہؐ کے ساتھ قبروں سے اٹھیں گے

حدیث میں ہے: عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج ذات یوم ودخل المسجد وابوبکر وعمر احدھما عن یمینه والآخر عن شماله وھو اخذ بایدیھما۔ فقال ھکذا نبعث یوم القیمة (مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن فی مناقب ابی بکرؓ و عمرؓ)۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر مسجد میں داخل ہوئے تو آپؐ کے ساتھ دائیں بائیں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی تھے اور حضورؐ نے ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح ہم قیامت کے دن اکٹھے اٹھائے جائیں گے۔

اس ارشادِ رسالت سے ثابت ہوا کہ قیامت تک شیخین رضی اللہ عنہما حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روضہ مقدسہ میں رہیں گے اور کوئی دشمنِ رسولؐ اور دشمنِ شیخینؓ ان کے اجساد مبارکہ کو روضہ مقدسہ سے نکال نہیں سکتا۔ روضہ مقدسہ میں رحمتہائے خداوندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حضرات شیخینؓ پر قیامت تک نازل ہوتی رہیں گی۔ امت کے درود و سلام بواسطہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم شیخینؓ کو پہنچتے رہیں گے۔ خوش نصیب زائرین رسول پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ مبارکہ میں درود و سلام عرض کرنے کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ پر سلام

پڑھتے ہیں اور ان کے توسّل سے حق تعالیٰ کی رحمتیں حاصل کرتے ہیں۔

(۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اہل تشیع کا عقیدہ رجعت بے بنیاد ہے۔ عقیدہ رجعت کے بارے میں مولوی ظفر حسن امروہوی لکھتے ہیں:

"ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت صغریٰ میں جو قیامت کبریٰ سے پہلے ہوگی کچھ لوگ زندہ کیے جائیں گے۔ یہ زمانہ حضرت حجۃ (یعنی امام مہدی) کے ظہور کا ہوگا۔ جن لوگوں نے اولادِ رسولؐ پر ظلم کیا ہے ان سے بدلا لیا جائے گا۔" (عقائد الشیعہ ص۵۶)

رجعت کے کرشمے

اسی رجعت کے سلسلے میں شیعہ رئیس المحدثین باقر مجلسی لکھتے ہیں:- امام مہدی ظاہر ہوں گے۔ عائشہ کو زندہ کر کے ان پر حد جاری کریں گے۔ (حق الیقین مترجم اردو ص۳۴۷ مطبوعہ لاہور)

تبصرہ

یہ ہے عقیدہ رجعت کہ قیامت سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ کو زندہ کر کے پھر ان پر حد جاری کریں گے۔ العیاذ باللہ۔ حالانکہ از روئے نص قرآنی (ازواجه امهاتهم) کیا امام مہدی اپنی مومنہ ماں کو سزا دیں گے؟

(۲) جب امام مہدی ظاہر ہوں گے سب سے پہلے ان کی بیعت حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کریں گے پھر حضرت علیؓ (ایضاً ص۳۴)

تبصرہ

یہ ہے رجعت اور یہ ہیں امام مہدی کہ حضور سرورِ کائنات بھی ان کے مرید بنیں گے اور حضرت علی المرتضیٰ بھی۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(۳) جس وقت قائم (یعنی امام مہدی) ظاہر ہوں گے کافروں سے پہلے وہ سنّیوں سے ابتدا کریں گے اور ان کو علماء سمیت قتل کریں گے۔ (ایضاً حق الیقین ص۵۲۷)

(۴) اسی کتاب "حق الیقین" میں امام جعفر صادق کی طرف ایک من گھڑت طویل روایت منسوب کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام مہدی آئیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو نکالیں گے۔ ان کو زندہ کریں گے پھر بطور سزا کے ان کو قتل کریں گے۔ اسی طرح ہزار مرتبہ ان کو زندہ کریں گے اور ہزار مرتبہ ان کو قتل کریں گے۔" العیاذ باللہ۔

تبصرہ شیعہ مذہب کی اصح الکتب فروع کافی کی روایت پہلے نقل کی جا چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مقدسہ اور منبر شریف کے درمیان ساری جگہ جنت کا ٹکڑا ہے" اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اس جنت کے ٹکڑے میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آرام فرما ہیں تو کیا امام مہدی قطعۂ جنت سے نکال کر ان کو ہزار مرتبہ قتل کریں گے۔

ان روایات سے اہل السنت والجماعت والوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے کہ شیعوں کے یہ عقائد ہیں کہ امام مہدی حضرت عائشہ صدیقہؓ پر حد جاری کریں گے۔ کافروں سے پہلے سنی مسلمانوں اور ان کے علماء کو قتل کریں گے اور قرآن کے موعودہ چار خلفاء راشدینؓ میں سے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کو زمانہ رجعت میں ہزار مرتبہ قتل کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود خمینی صاحب کی بھی یہی دعوت رہی ہے کہ سنی شیعہ متحد ہو جاؤ اور عموماً شیعہ علماء پاکستان میں بھی اتحاد المسلمین کا نعرہ لگا کر اہلسنت کو ان کے ساتھ متحد ہونے کی دعوت دیتے رہتے ہیں۔ کیا اس سے بھی بڑھ کر کوئی تقیہ اور فریب ہو سکتا ہے؟ کیا شیعوں کے اس قسم کے عقائد کے باوجود اہل السنت والجماعت کا ان کے ساتھ کسی قسم کا اتحاد ہو سکتا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَار

خادمِ اہلِ سُنّت مظہر حسین غفرلہٗ

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ / ۲۲ دسمبر ۱۹۸۹ء

رُباعی

محبوبِ خدا ختمِ رُسُلؐ شاہِ امام! | صد نیاز بہ آداب درود اور سلام
محشر میں شفاعت کا ہے بس تم ہی کو فخر | اور بعدِ خدا سب ہی سے ہوا اعلیٰ مقام

بیمتین رجپوری (بدایونی)

حمد ربِّ جہاں

خالق مالک یا سُبحان! خلقت پر ہے تو رحمٰن!
عالم کے سب انس وجان! تیری ہستی کی پہچان!
ارفع اعلیٰ تیری شان! یارب! یکتا تیری شان!

فرشِ ارضی کے دامان! ہیں کہیں گلشن کہیں سُنسان!
گونہ گونہ ہیں حیوان! طرح طرح کے ہیں ابدان!
ارفع اعلیٰ تیری شان! یارب! یکتا تیری شان!

جاری تیرے ہیں فرمان! تیری نِعَم کے وَا ہیں خوان!
یاد میں تیری ہے سلوان! بہ ہر زماں وَ بہ ہر مکان!
ارفع اعلیٰ تیری شان! یارب! یکتا تیری شان!

یارب! تو نے بالفرزان! کیسے مُجلّا کیے اذہان!
عالم عاقل فلسفیان! راہ میں تیری سب حیران!
ارفع اعلیٰ تیری شان! یارب! یکتا تیری شان!

ہر شے کا ہے خالق تُو! بندوں کا ہے رازق تُو!
ڈھانپے دن پر غاسق تو! نُورِ سحر کا فالق تُو!
ارفع اعلیٰ تیری شان! یارب! یکتا تیری شان!

ہر اک خلقت ہے کیا خوب! پاک وصفا از قبح وعیوب!
وضع ہر اک کی خوش اسلوب! نظارے ہیں کیا مرغوب!
ارفع اعلیٰ تیری شان! یارب! یکتا تیری شان!

خلقت پر ہے تیرا پیار! غنچہ غنچہ تری مہکار!
ہر شے سے ترا اظہار! لیکن پھر خود دَرِ استار!
ارفع اعلیٰ تیری شان! یارب! یکتا تیری شان!

تیری ذات ہے دائم قائم! حد نہیں رکھتیں تری مکارم!
تیری سمت اِنابت دائم! ہم کو جان ودل سے لازم!
ارفع اعلیٰ تیری شان! یارب! یکتا تیری شان!

✲✲✲✲✲

بیچین رجپوری (بدایونی)

جناب مولانا عتیق احمد قاسمی، استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (بھارت)

✲✲✲✲✲

خلفاء راشدینؓ اور اہلِ بیتؓ کے تعلقات" کے موضوع پر مواد حدیث و تاریخ، سیرت و سوانح، تذکرہ و تراجم اور اسماء الرجال کی کتابوں میں بکھرا ہوا ہے۔ اس موضوع پر لکھنے کے لیے زیادہ محنت اور فرصت کی ضرورت تھی۔ موضوع کی اہمیت و نزاکت کے پورے احساس کے ساتھ چند صفحات قارئین کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں۔ خدا کرے یہ چند صفحات کسی باتوفیق کے دل میں مذکورہ بالاموضوع پر تحقیقی کام کا داعیہ پیدا کرسکیں!

(عتیق احمد استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء)

قرآن پاک میں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپؐ کے اخلاق و عادات کے خدو خال نمایاں کیے گئے ہیں اسی طرح صحابہ کرامؓ کی زندگی اور ان کے اوصاف و کمالات کی مستند ترین مرقع نگاری کی گئی ہے۔ مورخین اور سیرت نگاروں کے بیانات میں غلط بیانی اور مبالغہ آرائی ہوسکتی ہے لیکن خدائے وحدہٗ لاشریک کی اُتاری ہوئی وحی میں حقیقت کی نقاب کشائی اور صداقت کی ترجمانی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی ہی وہ جماعت ہے جس کے واسطے سے قرآن کریم کے الفاظ و معانی اور دین کی روح و مزاج بعد میں آنے والی نسلوں تک پہنچے۔ اس لیے دینِ اسلام کی صداقت و حقانیت اور قرآن کی محفوظیت اسی بات پر موقوف ہے کہ صحابہ کرام علیہم اجمعین دیندار و پاکباز، بلند کردار اور صداقت شعار افراد ہوں، اسی لیے قرآن پاک میں صحابہ کرامؓ کے تزکیہ و توثیق پر بڑا زور دیا گیا اور ان کے بلند درجات کا بار بار تذکرہ کیا گیا۔

قرآنی آیات کی روشنی میں صحابہ کرام رضؓ کے ایمان والیقان، اخلاق وکردار کی بڑی دلکش اور دلآویز تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

محمد رسول اللہ ط والذین معہ اشداء	محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں
علی الکفار رحماء بینھم تراھم	وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں
رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ	رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ
ورضوانا ز سیماھم فی وجوھھم	(خدا کے آگے) جھکے ہوئے سربسجود ہیں اور خدا
من اثر السجود ط ذالک مثلھم	کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں
فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔	(کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان
(سورہ فتح آیت ۲۹)	پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں

(مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔

مقام صحابہ رضؓ محدثین رحؒ کی نظر میں

صحابہ کرام رضؓ کے فضائل و مناقب میں قرآن کی آیتیں اس قدر کثرت صراحت کے ساتھ ہیں کہ کوئی ملحد و مشرک ہی ان کا انکار کر سکتا ہے۔ جگہ جگہ صحابہ رضؓ کو مغفرت اور دخولِ جنت کی بشارت دی گئی ہے، یہ مژدہ سنایا گیا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ صحابہ کرام رضؓ کے فضائل و مناقب میں احادیث اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ مشکل ہے۔ انفرادی طور پر بہت سے صحابہ رضؓ اور صحابیات رضؓ کے فضائل زبانِ نبوت سے بیان ہوئے ہیں۔ انہیں دنیا ہی میں جنت کے بلند درجات کی بشارت دے دی گئی ہے۔

قرآن و سنت میں صحابہ رضؓ کے منصب و مقام، ان کے تزکیہ و توثیق پر اتنا زور اسی لیے دیا گیا ہے کہ صحابہ رضؓ کے مجروح ہونے اور ان سے اعتماد اٹھ جانے کے بعد دینِ اسلام کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں گی، قرآن و سنت اور اسلامی شریعت سے اعتماد اٹھ جائے گا، کیونکہ دین کا سارا سرمایہ بعد میں آنے والی نسلوں تک صحابہ کرام رضؓ ہی کے واسطے سے پہنچا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے محدثین کو، انہوں نے اس نکتہ کو بڑی اہمیت سے بیان کیا اور اس پر بڑا زور دیا۔ محدثین حدیث کے تمام راویوں کو جرح و تعدیل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں خواہ کوئی راوی اپنے دور کا جنید و شبلی ہی کیوں نہ ہو جب وہ روایتِ حدیث کے میدان میں قدم رکھتا ہے،

تو اسے لازماً جرح و تعدیل کا پل صراط عبور کرنا پڑتا ہے لیکن تمام چھوٹے بڑے صحابہؓ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ جہاں کسی راوی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ صحابئ رسول ؐ ہے ائمہ جرح و تعدیل مہر بلب ہو جاتے ہیں۔ محدثین کے نزدیک کوئی صحابی کسی انسان کی تعدیل و توثیق کا محتاج نہیں ہے کیونکہ قرآن و سنت میں تمام صحابہ کی تعدیل و توثیق کر دی گئی ہے۔ محدثین کا اجماعی اصول ہے "الصحابه كلهم عدول"۔ سب کے سب صحابہ عادل ہیں۔

امام المحدثین حافظ ابو زرعہ نے بڑی پتے کی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں:

اذا رايت الرجل ينقص احدا من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاعلم انه زنديق، وذلك ان الرسول عندنا حق، والقرآن حق، وما جاء به حق، وانما ادى الينا هذا القرآن والسنن اصحاب رسول الله وانما يريدون ان يجرحوا شهودنا ليبطلوا الكتاب والسنة، والجرح بهم اولى، وهم زنادقة

جب تم کسی شخص کو کسی صحابئ رسولؐ کی عیب چینی اور بدگوئی کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ جاؤ کہ وہ شخص زندیق (بددین) ہے کیونکہ ہمارے نزدیک رسول برحق ہیں، قرآن برحق ہیں، رسول کا لایا ہوا دین برحق ہے، قرآن و سنت ہم تک صحابہ کرامؓ ہی نے پہنچایا ہے[1]۔ یہ (عیب چینی کرنے والے) لوگ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کے نتیجے میں قرآن و سنت کو باطل قرار دیں۔ لہٰذا ان عیب چینی کرنے والوں کو مجروح قرار دینا زیادہ بہتر ہے، یہ لوگ زندیق ہیں

خلیفہ مہدی نے عبداللہ بن مصعب سے دریافت کیا کہ صحابہؓ کے بارے میں بدگوئی کرنے والوں کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ انہوں نے فرمایا۔ ایسے لوگ زندیق ہیں، کیونکہ یہ لوگ صاف طور سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عیب چینی اور بدگوئی کی جرأت نہیں کر سکے تو انہوں نے صحابہ رسولؐ کی بدگوئی کی، دوسرے الفاظ میں انہوں نے یہ کہا کہ نبی صاحب بُرے لوگوں کی صحبت میں رہتے تھے[2] (نعوذ باللہ من ذلک) اسلام کے خلاف گمراہ سازش!! صحابہ کرامؓ کے منصب و مقام، عظمت و منزلت پر قرآن و سنت

---

[1] الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ج اوّل ص۱۱ [2] ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مصر القاہرہ

میں زندہ ہو سے کہ جس سیلاب کی روک تھام مقصود تھی وہ سیلاب اپنی تمام تر فتنہ سامانیوں کے ساتھ نئے انداز سے ہی بیعا وجود پذیر ہو گیا ۔ اگر کتاب و سنت کے مضبوط پشتے اور خالقِ کائنات کی طرف پیش بند باں نہ ہوتیں تو خطرہ تھا کہ اسلام کا پورا اعتقادی اور تہذیبی اثاثہ اس سیلاب بلاخیز کی نذر ہو جاتا ۔

قوم یہود سازشوں اور وسوسہ کاریوں میں اپنا جواب نہیں رکھتی ۔ منافقانہ ذہنیت کی وجہ سے اس قوم کو سازشیں رچنے میں خصوصی کمال حاصل ہے ۔ یہودیوں ہی کے ایک فرد سینٹ پال نے عیسائیت قبول کرنے کا ڈھونگ رچا اور عیسائیت کو حضرت مسیح علیہ السّلام کی تعلیمات سے ہٹا کر خالص مشرکانہ راستے پر ڈال دیا ۔

یہود مسلمانوں کے مقابلہ میں برابر شکست کھا رہے تھے ۔ ان کے لیے زمین تنگ ہو گئی جب انہوں نے محسوس کیا کہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے جیتنا ممکن نہیں تو انہوں نے اسلام کے خلاف گہری سازش کی ۔ انہوں نے محبّت اہلِ بیتؓ کی آڑ میں اسلام کے نام پر ایک نیا مذہب ایجاد کیا جس کو "رفض و تشیعیت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔

رفض و تشیعیت کا قرآن و سنت سے ادنیٰ تعلق نہیں ہے ۔ یہ اسلام کے متوازی ایک دوسرا مذہب ہے جس کا پورا ڈھانچہ اسلام سے الگ ہے ۔ روافض نے صحیح اسلامی عقائد و افکار کو متزلزل کرنے کے لیے بہت سے افسانے گھڑے ۔ انہوں نے افسانہ تراشا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا خلیفہ و جانشین منتخب کر دیا تھا اور صحابہ کے سامنے اس کا اعلان بھی فرما دیا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے سازش کر کے حضرت علیؓ کو منصبِ خلافت سے محروم رکھا ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان و وصیت سے انحراف کر کے نعوذ باللہ حضرات شیخین (حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ) مرتد اور بدترین کافر ہو گئے اور اسی کے ساتھ ساتھ تین چار کو چھوڑ کر نعوذ باللہ سارے صحابہؓ مرتد ہو گئے

شیعی افسانے

انسان جب ایک جھوٹ بولتا ہے تو اسے نبھانے کے لیے دسیوں جھوٹ بولنے پڑتے ہیں ۔ شیعوں نے غصب خلافت کا جو افسانہ تراشا تو اسے نبھانے کے لیے انہیں پوری ایک تاریخ گھڑنی پڑی ۔ اپنے باطل عقائد اور مفروضات کو سہارا دینے کے لیے ایک طرف انہوں نے خلفاءِ ثلاثہ کے زرّیں دور کو اسلام کا تاریک ترین دور قرار دیا اور ہزاروں

کردہ گناہ خلفاء ثلاثہؓ کی طرف منسوب کیے، دوسری طرف انہوں نے اس بات کی ناکام کوشش کی کہ خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ) اور اہل بیت نبوی (حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ وغیرہ) کے باہمی تعلقات کی ایسی نوعیت بیان کریں جو دشمنوں اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسوں کی ہُوا کرتی ہے۔ افسانوں اور افواہوں کی گرد میں حقائق اور سچائیاں تھوڑی دیر کے لیے چھپ تو سکتی ہیں لیکن انہیں مٹایا نہیں جا سکتا۔

خلفاء ثلاثہؓ اور اہل بیتؓ کے تعلقات

واقعہ یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ اور اہل بیت نبوی کے تعلقات حد درجہ خوشگوار اور قابل رشک تھے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ جو حضرات اہل بیتؓ کے سرخیل تھے خلفاء ثلاثہ کے مرتبہ شناس اور قدردان تھے۔ انہوں نے اپنے پیش رو تینوں خلفاء کے ہاتھوں پر خوشی خوشی بیعت کی، کار خلافت میں تینوں خلفاء کا پورا ہاتھ بٹایا، انہیں پورا تعاون دیا۔ ہر نازک موقع پر خلفاء ثلاثہ کا ساتھ دیا اور خلفاء ثلاثہ نے اہل بیت نبوی کے ساتھ عزت و توقیر کا معاملہ کیا۔ ہر ہر قدم پر قرابت نبوی کا خیال رکھا، تمام اہم کاموں میں حضرات اہل بیت خصوصاً حضرت علیؓ سے مشورہ کیا، ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دی اور کار خلافت میں انہیں ہمیشہ شریک رکھا۔

اس موضوع کا حق تو پوری ایک کتاب لکھ کر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ زیر نظر صفحات میں اس موضوع کی کچھ جھلکیاں ہی قارئین کے سامنے پیش کی جا سکتی ہیں۔

بیعت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ

حضرت ابوبکر صدیقؓ پہلے خلیفہ راشد ہیں، ان کا فضل و کمال اور دین کے راستے میں ان کی قربانیاں اتنی نمایاں تھیں کہ ان کی افضلیت و عظمت صحابہ کرامؓ میں مسلّم تھی۔ اسی لیے خلافت کے لیے جب ان کا نام پیش ہُوا تو جمہور صحابہؓ نے اتفاق کیا۔ مسلمانوں کے لیے امام و خلیفہ کے بغیر چند ساعتیں گذارنا بھی درست نہیں ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد کبار صحابہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت کا اہم مسئلہ طے کرنے میں لگ گئے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفین و تدفین کے مسائل میں مصروف تھے اس لیے منصب خلیفہ کے مشورہ میں شریک نہ ہو سکے، لیکن انہیں حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ مقرر کیے جانے پر فی نفسہ کوئی اعتراض نہیں تھا۔ حضرت علیؓ کی نظر میں بھی

حضرت ابوبکرؓ ہی منصبِ خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ طبقات ابن سعد میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد موجود ہے۔

"حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ہم لوگوں نے امیر کے بارے میں غور کیا۔ ہم لوگوں کو خیال آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے آخری ایام میں) حضرت ابوبکرؓ کو نماز کی امامت کے لیے مقرر فرمایا تھا، اس لیے ہم نے اپنے دنیاوی امور کے نظم و انتظام کے لیے اسی شخص کو پسند کرلیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین (نماز) کے لیے پسند فرمایا تھا۔ چنانچہ ہم لوگوں نے ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔"[1]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا ملال ضرور تھا کہ ان سے مشورہ کیے بغیر مسئلہ خلافت طے کرلیا گیا لیکن جہاں تک حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت اور ان کے استحقاقِ خلافت کا تعلق ہے اس سے انہیں پورا اتفاق تھا۔

مستدرک حاکم کی روایت کا ایک ٹکڑا ہے۔

"علی اور زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم کو صرف اس بات کا غصہ تھا کہ مشورہ کے وقت ہمیں نظر انداز کر دیا گیا ورنہ ہم بے شبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امارت کا سب سے زیادہ مستحق ابوبکرؓ ہی کو سمجھتے تھے۔ وہ صاحبِ غار اور ثانی اثنین ہیں اور ہم ان کے شرف اور عظمت کو جانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ہی میں انہیں نماز پڑھانے کا حکم دے دیا تھا۔"[2]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے شکوہ شکایت کرنے کے بعد بیعت عامہ ہی کے دن مجمع عام میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب ہم عہد صدیقی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہر اہم کام میں ہمیں حضرت علیؓ کی شرکت اور ان کا بھرپور تعاون نظر آتا ہے۔ زمام خلافت سنبھالنے کے فوراً بعد مانعینِ زکوٰۃ سے مسلمانوں کے سخت معرکے ہوئے۔ ایک معرکہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بنفسِ نفیس شرکت کا ارادہ فرمایا۔ صحابہ کرامؓ کی رائے تھی کہ امیر المومنین خود محاذِ جنگ پر جانے کے بجائے کسی کو امیرِ لشکر بنا کر بھیج دیں۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے بہت منت سماجت کی لیکن حضرت ابوبکرؓ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۸۳ [2] المستدرک علی الصحیحین

نے کسی کی بات نہیں مانی ۔ آخر میں حضرت علی رضؓ نے روکنا چاہا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں جب میرے باپ نے سواری پر بیٹھ کر تلوار میان سے باہر نکالی اور ذوالقصہ کے لیے روانہ ہونے لگے تو حضرت علیؓ ان کی سواری کی رسّی پکڑ کر کھڑے ہوگئے اور کہا: رسول اللہ کے خلیفہ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں آپ سے وہی کہوں گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے موقع پر آپ سے فرمایا تھا کہ آپ اپنی تلوار میان میں کیجئے اور اپنی جان خطرہ میں ڈال کر دردمند کیجئے۔[1] قسم خدا کی اگر ہم آپ کی ذات سے محروم ہوگئے تو اسلام کا نظام آئندہ کبھی قائم نہیں ہو پائے گا۔[2]

البدایہ والنہایہ میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کی درخواست قبول کر لی اور خود واپس آگئے۔

حافظ ابن کثیر نے بیعت عامہ ہی کے دن حضرت علیؓ کی بیعت ثابت کرنے والی روایات نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے: "یہی حضرت علیؓ کے شایانِ شان تھے، دوسرے آثار بھی اس پر دلالت کرتے ہیں مثلاً حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نمازیں ادا کرنا، ذوالقصہ کے معرکے میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد پیش آیا تھا حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ نکلنا، ان کو نصیحت کرنا اور تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم دورِ صدیقی کا مطالعہ کرتے ہوئے تمام اجتماعی کاموں میں حضرت علیؓ کو شریک پاتا ہے، پھر وہ کیسے یقین کرلے کہ حضرت علیؓ نے چھ ماہ کا عرصہ گذرنے کے بعد بیعت کی یا بے دلی اور مجبوری سے بیعت کی۔ دورِ صدیقی میں افتاء و قضا کا کام انجام دینے والوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی بھی آتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ اور حضرت ابوبکرؓ

خیبر و فدک کی زمینوں کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء خصوصاً حضرت فاطمہؓ نے مطالبہ کیا کہ خیبر و فدک کی زمینیں ہمیں میراث میں دی جائیں۔ یہی مطالبہ بعض ازواج مطہرات کی طرف سے بھی ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے قرابت نبوی کا پورا احترام باقی رکھتے ہوئے شرعی بنیادوں پر اس مطالبہ کو پورا کرنے سے معذرت کر دی۔ انھوں نے فرمایا:

"اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے لیکن

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۳۱۵ [2] حوالہ بالا [3] حوالہ بالا ص ۳۰۲

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا لیکن میں ان سب کی سرپرستی کروں گا جن کی سرپرستی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور ان سب پر خرچ کروں گا جن پر آپ خرچ کرتے تھے[1]

اس جواب سے حضرت فاطمہؓ کی طبیعت میں گرانی ہونا کوئی مستبعد بات نہیں ہے، مطالبہ نہ پورا ہونے پر ملالِ خاطر ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے لیکن یہ باور کرانا عقل وقیاس کے خلاف ہے کہ اسی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق اور اہل بیت کرام میں مستقل رنجش پیدا ہوگئی اور اس واقعہ کے بعد وفات تک حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ سے بات کرنے کی روادار نہیں ہوئیں۔ اس واقعہ کا خلیفۂ اوّل اور اہل بیتؓ کے تعلقات پر کوئی دُوررس اثر نہیں پڑا، اس کے بعد بھی تعلقات خوشگوار رہے۔ اہل بیت کرامؓ نے خلیفہ اوّل کی قدردانی مرتبہ شناسی اور تعاون میں کوئی کمی نہیں کی اور خلیفہ اول کی طرف سے بھی اہل بیتؓ کی عزت و توقیر پاس و لحاظ کا وہی برتاؤ رہا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کو خانوادۂ نبویؐ کے ساتھ جو والہانہ تعلق تھا اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے دل میں برابر یہ خلش رہی کہ جگر گوشۂ رسولؐ نے ایک مطالبہ کیا اور میں اس کی تعمیل نہیں کر سکا۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ کے مرضِ وفات میں عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اجازت لے کر اندر حاضر ہونے اور معافی تلافی کرائی، جب یقین ہوگیا کہ حضرت فاطمہؓ کا ملالِ خاطر دُور ہوچکا ہے تب انہیں اطمینان ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اصرار پر حضرت فاطمہؓ کی نمازِ جنازہ بھی حضرت ابوبکرؓ نے پڑھائی[2]

فضائل حضرت صدیق اکبرؓ حضرت علیؓ کی زبانی

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات حسرت آیات پر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے بڑا فصیح و بلیغ خطبہ دیا[3] اور انہیں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ حق یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس خطبہ میں خلیفہ اوّل کی خصوصیات و

---

[1] سیر اعلام النبلاء للذہبی جلد ۲ ص ۱۲۱، ص ۱۲۹

[2] کنز العمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۵۵

[3] پورا خطبہ محب طبری کی الریاض النضرۃ اور علی متقی کی کنز العمال میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مولانا سعید اکبرآبادی مرحوم نے صدیق اکبرؓ میں خطبہ کا پورا متن اور اس کا اردو ترجمہ درج کردیا ہے۔ ملاحظہ ہو صدیق اکبرؓ ص ۳۰۵ تا ص [illegible]

کمالات کا نہایت جامع مرقع بڑے حسین پیرائے میں پیش فرما دیا ہے۔

اہل بیت کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کا برتاؤ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا برتاؤ اہل بیت کے ساتھ کیا تھا اس بارے میں ہم مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں ۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی کے ساتھ غیر معمولی عشق و محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کو اہل بیت اطہار کے ساتھ بھی بڑی محبت تھی اور ان کا خود اپنے متعلقین سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا تعلق بیان کرنا شروع کیا تو حال یہ تھا کہ حضرت علیؓ (اور بعض روایات کے مطابق حضرت فاطمہؓ) ایک ایک بات کرتے جاتے تھے اور ادھر حضرت ابوبکرؓ اسے سن سن کر روتے جاتے تھے ۔" (طبری ج ۲ ص ۴۴۹ ۲)

وفات نبویؐ کے چند ہی روز بعد کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے کہ حضرت حسن بن علیؓ نظر آ گئے جو محلہ کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضرت ابوبکرؓ نے جگر گوشہ بتول کو دوش پہ بٹھالیا ۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۳۰ والبدایہ ج ۵ ص ۲۸۶)

فتوحات عراق کے سلسلہ میں ایک مرتبہ حضرت خالدؓ نے جو مال غنیمت مدینہ بھیجا اس کے ساتھ ایک قیمتی طیلسان بھی حضرت ابوبکرؓ کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے وہ طیلسان امام حسین بن علیؓ کے نذر کر دیا ۔ (فتوح البلدان بلاذری ص ۲۵۴)

حضرت ابوبکرؓ اہل بیت اطہار کے ساتھ لطف و مدارات کا معاملہ تنہا نہیں کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کو بھی عام طور پر اس کی تاکید کرتے تھے کہ ان کا خاص طور پر خیال رکھیں ۔ ان کے اصل الفاظ یہ ہیں :

" ارقبوا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فی اھل بیتہ[1] " (بخاری ج ۱ ص ۵۳۰)

حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ کے تعلقات

حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ منصب خلافت پر رونق افروز ہوئے حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر اولین بیعت کرنے والوں میں حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا اسم گرامی بھی آتا ہے ۔ روافض نے حضرت عمرؓ کو خاندان نبوی اور اہل بیت کرام

---

[1] صدیق اکبر ص ۴۳۲-۴۳۳

کا سب سے بڑا دشمن بنا کر پیش کیا ہے اور اس کے لیے شرمناک بے سروپا افسانے تراشے ہیں لیکن اس دور کی جو مستند ترین تاریخیں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ اور اہل بیت کرامؓ کے باہمی تعلقات بڑے شگفتہ اور خوشگوار تھے۔ حضرت عمرؓ اہل بیت کا بڑا اعزاز و اکرام کرتے، ان کی دلداری اور ناز برداری میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ تمام اہم کاموں اور مشوروں میں حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کو شریک رکھتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے اور مشورہ کو بڑی اہمیت دیتے۔ اکثر انہیں کی رائے کو اختیار فرماتے۔

متعدد بار ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ نے کسی اہم کام سے مرکز خلافت مدینہ سے سفر کیا تو کاروبار خلافت حضرت علیؓ کے حوالہ کیا اور انہیں اپنا جانشین نامزد فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت علیؓ پر حد درجہ اعتماد تھا۔ بیت المقدس کی طرف حضرت عمرؓ کا جو تاریخی سفر ہوا اس موقع پر[1] انہوں نے مدینہ میں حضرت علیؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ اسی طرح طاعون عمواس کے زمانہ میں ۱۸ھ میں شام کا سفر کیا۔ اس بار بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا۔

حکومت وانتظام کے اہم معاملات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشورہ کو اپنانے کے اتنے واقعات ہیں کہ ان کا احاطہ دشوار ہے۔ نمونہ کے طور پر دو تین واقعات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ۱۸ھ میں مسلمان افواج نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ بیت المقدس کے عیسائیوں نے صلح کی درخواست کی لیکن یہ شرط لگائی کہ امیرالمومنین حضرت عمرؓ خود تشریف لائیں اور صلح نامہ انہیں کے ہاتھوں لکھا جائے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے پوری صورت حال حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے کبار صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے رائے دی کہ عیسائی مرعوب اور بے دم ہو چکے ہیں۔ آپ ان کی یہ درخواست رد کریں اور تشریف نہ لے جائیں تو ذلیل ہو کر بلا شرط ہتھیار ڈال دیں گے۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف رائے دی اور فرمایا کہ ان حالات میں امیرالمومنین کا تشریف لے جانا مناسب ہے تاکہ خونریزی کے بغیر یہ اہم تاریخی شہر فتح ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے پسند کی اور سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۵۹ [2] الفاروق ج اول ص ۱۵۵ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۰۳ [3] البدایہ والنہایہ للحافظ ابن کثیر ج ۷ ص ۶۱

عراق عرب کو فتح کرنے کے بعد اسلامی فوجیں جب عراقی عجم میں داخل ہوئیں اور وہاں کے بعض شہر فتح کر لیے تو یزدگرد نے مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ ایرانی امپائر کے مختلف حصوں سے ڈیڑھ دو لاکھ فوج مسلمانوں کو عبرت ناک شکست دینے کے لیے جمع ہو گئی۔ کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ کو پوری صورتِ حال لکھ بھیجی۔ عمار بن یاسرؓ کا خط لے کر حضرت عمرؓ مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ کبار صحابہؓ کو مشورہ کے لیے جمع کیا اور نازک حالات سے صحابہؓ کو مطلع کر کے ان کا مشورہ طلب کیا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ میری رائے یہ ہے کہ شام، یمن، بصرہ کے افسرانِ فوج کو لکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر عراق پہنچیں۔ آپ خود یہاں کی فوجوں کو لے کر مدینہ سے روانہ ہوں۔ کوفہ میں تمام اسلامی فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں اور پھر محاذِ جنگ کا رُخ کیا جائے۔ اکثر صحابہ نے حضرت عثمانؓ کی رائے پسند کی۔ حضرت علیؓ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی رائے معلوم کرنی چاہی تو انہوں نے فرمایا۔ شام بصرہ سے فوجیں ہٹنے پر ان مقامات پر سرحد کے دشمن قبضہ کر لیں گے۔ حجاز کی فوجیں لے کر آپ مدینہ سے روانہ ہوئے تو عرب میں انتشار اور بدامنی پھیل جائے گی اور خود اپنا ملک تابو سے باہر ہو جانے گا۔ میری رائے ہے کہ آپ مدینہ سے کہیں نہ جائیں۔ شام، یمن، بصرہ فرامین بھیج دیں کہ اپنے یہاں ایک تہائی فوج عراق روانہ کر دیں۔ حضرتؓ عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے پسند فرمائی اور کہا کہ میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں تنہا کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد ایک عرصہ تک حضرت عمرؓ نے بیت المال سے کچھ نہیں لیا۔ خلافت کی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے تجارت بھی نہیں کر پاتے تھے جس کے نتیجے میں بڑی تنگی اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ صحابہ کرام کو بُلا کر مشورہ کیا کہ ان حالات میں بیت المال سے کتنا لے سکتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔

"اتنا لیجئے جس میں خود بھی کھا پی سکیں دوسروں کو بھی کھلا سکیں۔"

سعیدؓ بن زید نے بھی یہی رائے دی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے فرمایا صبح و شام کے کھانے کے بقدر آپ لیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے

ؔ البدایہ والنہایہ ج، صـ۱۱۸-۱۱۹ تاریخ طبری ج ۴ صـ۲۳۸-۲۳۹

کو اختیار فرمایا۔[1]

خوشگوار تعلقات کی مزید شہادتیں

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی باہمی محبت و مودت اعتماد و یگانگت کا حال یہ تھا کہ حضرت عمرؓ کی درخواست پر حضرت علیؓ نے اپنی کمسن صاحبزادی حضرت ام کلثوم (جو جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھیں) کا نکاح حضرت عمرؓ سے کردیا۔ حضرت ام کلثوم حضرت عمرؓ کی وفات تک ان کے حبالۂ عقد میں رہیں۔ ان سے حضرت عمرؓ کی اولاد بھی ہوئی۔ ام کلثوم بنتِ فاطمہؓ سے حضرت عمرؓ نے صرف اس جذبہ کے ساتھ نکاح کیا کہ انہیں بھی قرابتِ رسولؐ کا شرف حاصل ہوئے اور آخرت[2] میں یہ رشتہ کام آئے۔

حضرت ام کلثوم کو حضرت عمرؓ سے بڑا انس اور قلبی لگاؤ تھا۔ حضرت عمر کی شہادت پر ان کا گریہ رکتا نہیں تھا اور وہ بے حال ہو گئی تھیں۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت ام کلثومؓ کو یاد فرمایا۔ وہ روتی ہوئی حاضر ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے رونے کی وجہ دریافت کی تو کہا: اے امیر المومنین! کعب احبار کہتے ہیں کہ آپ جہنم کے ایک دروازے پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے لیکن بخدا مجھے امید یہی ہے کہ خدا نے مجھے سعید بنا کر پیدا فرمایا ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے کعب احبار کو طلب فرمایا۔ انہوں نے آکر عرض کیا: اے امیر المومنین! جلدی نہ فرمائیے۔ بخدا ذی الحجہ گذرنے سے پہلے ہی آپ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ کیا بات ہے ایک بار جنت کی بات کرتے ہو ایک بار جہنم کی۔ کعب احبار نے عرض کیا: اے امیر المومنین! خدا کی قسم ایک آسمانی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ آپ جہنم کے ایک دروازے پر کھڑے ہیں اور لوگوں کو جہنم میں جانے سے روک رہے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد لوگ قیامت تک اس دروازے سے جہنم میں کودتے رہیں گے۔[3]

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مصاہرت کا مقدس رشتہ روافض پر بڑا بھاری پڑا اس رشتہ کا ذکر اہلِ سنت کی کتابوں کے علاوہ شیعوں کی بہت سی تاریخوں میں مذکور ہے۔ اس کی تفصیل نواب محسن الملک مہدی علی خان کی شہرۂ آفاق کتاب "آیات بینات" میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اکثر شیعہ مصنفین اس واقعہ کا انکار نہیں کر سکے تو انہوں نے ایسی توجیہات کیں اور صورتِ حال کی ایسی تصویر کشی کی جس سے حضرت عمرؓ سے زیادہ حضرت علیؓ اور اہل بیت کرام کی کردار کشی ہوتی ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۰۷ [2] سیر اعلام النبلاء للذہبی ج ۳ ص ۵۰۰۔۵۰۱

[3] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۵۲

صحابہؓ کے طفیل

ضَو فگن ہو گئیں ظلمات صحابہؓ کے طفیل
سَر ہوئیں کتنی مہمات صحابہؓ کے طفیل

مل گیا درسِ مساوات صحابہ کے طفیل
جاں فزا ہو گئے حالات صحابہؓ کے طفیل

شکر للہ کہ ہم جیسے سیہ کاروں کو
مِل گئیں خوب مراعات صحابہؓ کے طفیل

ربعِ مسکون میں ہر سمت پڑھی جاتی ہیں
روز قرآن کی آیات صحابہؓ کے طفیل

اہلِ ایمان کو ملتی رہیں گا ہے گا ہے
عرشِ اعظم سے ہدایات صحابہؓ کے طفیل

کس کو انکار ہے اس سے کہ ہمیں پہنچی ہیں
دینِ قیّم کی روایات صحابہؓ کے طفیل

تختۂ دہر پہ تبدیل، چمن زاروں میں
ہو گئے لاکھوں خرابات صحابہؓ کے طفیل

فیضِ سرکارؐ سے ہوتا ہے سکینہ نازل
اہلِ ایمان پہ دن رات صحابہؓ کے طفیل

اہلِ بیتؓ و شہِ کونینؐ سے انشاءاللہ
خُلد میں ہو گی ملاقات صحابہؓ کے طفیل

اس میں کیا شک ہے کہ اصحابِ نبیؐ کے گستاخ
کھائیں گے کل کو بُری مات صحابہؓ کے طفیل

اہلِ سُنّت پہ برستی ہیں مثالِ باراں
حق تعالےٰ کی عنایات صحابہؓ کے طفیل

حشر کے روز عطا ہوں گے بلند و برتر
اہلِ سُنّت کو مقامات صحابہؓ کے طفیل

رحم فرمائے گا سرورؔ پہ بھی انشاءاللہ
خالقِ ارض و سمٰوات صحابہؓ کے طفیل

حضرت سرور میواتی

فدایانِ اسلام حضرات صحابہ کرامؓ کی

داستانِ خون چکاں

(دوسری قسط)

حضرت مولانا محمد عبدالمعبود صاحب (راولپنڈی)

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمار اصل میں قحطانی یعنی یمنی ہیں۔ ان کے والد یاسر ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں مکہ مکرمہ آئے۔ ان کے ہمراہ دو بھائی حارث اور مالک بھی تھے۔ حارث اور مالک یمن واپس لوٹ گئے اور یاسر مکہ ہی میں رہ پڑے اور ابوحذیفہ مخزومی سے حلیفانہ تعلقات پیدا کر لیے۔ ابوحذیفہ نے اپنی کنیز سمیہ بنت خیاط سے ان کی شادی کر دی جس سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ ابوحذیفہ کی زندگی بھر یاسر اور عمار ان کے ساتھ رہے۔ بعدازاں جب آفتابِ اسلام طلوع ہوا تو حضرت عمار، یاسر، سمیہ اور عمار کے بھائی عبداللہ بن یاسر سب کے سب مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت صہیب رومیؓ ایک ساتھ ایمان لائے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے صہیبؓ کو ارقم بن ارقم کے دروازہ کے قریب دیکھ کر پوچھا ــــ "کس ارادہ سے آنا ہوا؟"

وہ بولے ــــ "پہلے اپنا ارادہ بیان کرو۔"

میں نے کہا ــــ "محمدؐ سے مل کر اُن کی کچھ باتیں سُننا چاہتا ہوں۔"

صہیبؓ نے کہا ــــ "میرا بھی یہی مقصد ہے۔"

غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے اور ساقیٔ اسلامؐ کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا۔ حضرت عمار کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ سیدنا عمار بن یاسرؓ جس وقت ایمان لائے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود پایا۔ یہ تو وہ حضرات تھے جنہوں نے برملا اسلام کا اظہار کر دیا تھا جبکہ اس وقت تک تیس

صحابہ کرامؓ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔

سیدنا عمارؓ اگرچہ بے یار و مددگار غریب الوطن تھے۔ دُنیاوی وجاہت و طاقت بھی حاصل نہ تھی اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اُس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد بھی نہیں ہوئی تھیں ۔ تاہم جوشِ ایمانی نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا۔ مشرکین نے انہیں اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشقِ ستم بنایا۔ ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت پر لٹا یا ۔ دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا۔ گھنٹوں پانی میں غوطے دیے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ تمام سختیوں کے باوجود انہیں اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔

حضرت عمارؓ کی والدہ ماجدہ سیدہ سمیہؓ کو ابوجہل لعین نے نہایت وحشیانہ طریقے سے اپنے نیزہ سے شہید کیا۔ تاریخِ اسلام کی یہ پہلی عبرت ناک شہادت تھی جو استقلال و استقامت کے ساتھ راہِ خدا میں واقع ہوئی ۔ ان کے والد یاسر اور بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہم بھی اسی گردابِ اذیت میں جاں بحق ہوئے ۔

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمّار کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا۔ اسی اثناء میں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف سے گزرے تو ان کے سر پر اپنا دستِ مُبارک پھیرا اور فرمایا۔

یانارکونی بردا وسلاما — اے آگ تو عمّارؓ کے حق میں بردو سلام بن جا

علی عمار کما کنت علی ابراھیم — جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے لیے بردو سلام بن گئی تھی

ایک مرتبہ حضرت یاسرؓ نے گردشِ زمانہ کی شکایت کی۔ ارشاد ہُوا۔" صبر کرو صبر کرو"۔ پھر دُعا فرمائی —" اے خدا آلِ یاسر کو بخش دے"۔ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت عمّار اور ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے —" اے آلِ یاسر صبر کرو"۔ کبھی فرماتے" اے اللہ تو آلِ یاسر کی مغفرت فرمادے" اور کبھی فرماتے" تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری مشتاق ہے۔"

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا کہ" عمّار سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرا ہُوا ہے۔"

ایک روز مشرکین نے انہیں پانی میں اس قدر غوطے دیے کہ بالکل بدحواس ہو گئے ۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا۔ اس کے بعد اگرچہ اس جاں گداز

مصائب سے گلو خلاصی تو ہو گئی، تاہم غیرت ملی سے پسینہ پسینہ ہوگئے۔ دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ــــ "عمار! کیا خبر ہے؟"

عرض کی ــــ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہایت ہی بُری خبر ہے۔ آج مجھے اس وقت تک مخلصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں بُرے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلماتِ خیر استعمال نہ کیے۔"

آپؐ نے ارشاد فرمایا ــــ "تم اپنے دل کی کیفیت کیسی پاتے ہو؟"

عرض کی ــــ "میرا دل ایمان سے مطمئن ہے۔"

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بیحد شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسو کے قطرے پونچھے اور فرمایا ــــ کچھ مضائقہ نہیں"۔ اور پھر مزید تسلی و تشفی کے لیے عرشِ الٰہی سے یہ مژدۂ جانفزا نازل ہُوا۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهٖ — جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے

إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ۔ — مگر وہ جو مجبور کر دیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا کہ کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں؟ انہوں نے جواب میں کہا ــــ "خدا کی قسم وہ انہیں مارتے، بھوکا پیاسا رکھتے۔ یہاں تک کہ وہ ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اُٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے۔ اسی حالت میں وہ جو کچھ چاہتے ضمیر کے خلاف کہلوا لیتے تھے۔"

بہر حال حضرت عمارؓ بھی انہی گرفتارانِ مصائب میں سے تھے جنہوں نے راہِ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ گوناگوں مصائب اور مظالم برداشت کیے لیکن آئینۂ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہُوا۔ ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی ان کا بیان ہے کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں، تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ پیٹھ میں موجود تھے۔

غزوۂ بدر میں جب ابوجہل مارا گیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمارؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا

قتل الله قاتل امك — اللہ نے تیری ماں کے قاتل کو ہلاک کیا۔

سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ

سیدنا صہیبؓ اصل میں اطرافِ موصل کے رہنے والے تھے۔ موصوف کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے اُبلّہ کے حاکم

تھے۔ ایک مرتبہ رومیوں نے اس علاقہ پر حملہ کیا۔ صہیبؓ اس وقت کم عمر تھے۔ لوٹ مار میں رومی انہیں پکڑ کر لے گئے۔ وہیں جوان ہوئے۔ اس لیے صہیب رومی کے نام سے شہرت رکھتے تھے۔ قبیلہ بنو کلب کا ایک شخص رومیوں سے صہیبؓ کو خرید کر مکہ مکرمہ لے آیا۔ مکہ میں عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔

جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام شروع فرمائی تو حضرت صہیبؓ اور حضرت عمارؓ ایک ہی وقت میں دارارقم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ غریب الوطن ہونے کے باعث اس سرزمین کفر میں ان کا کوئی حامی و معاون نہ تھا۔ تاہم غیرتِ ایمانی نے چھپ کر رہنا پسند نہ کیا اور ابتدا ہی میں تبدیلی مذہب کا حال ظاہر کر دیا۔ پھر راہِ خدا میں گوناگوں مصائب و مظالم برداشت کیے لیکن استقامت اور صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔

سیدنا صہیبؓ پہلے رومی تھے جنہوں نے صدائے توحید پر لبیک کہا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "صہیب روم کا پہلا پھل ہے۔" عمر بن حکم سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ حضرت صہیبؓ، عمارؓ، عامر بن فہیرہؓ کو اس قدر تکلیفیں دیتے کہ بے خود اور بے ہوش ہو جاتے تھے اور بے خودی کے عالم میں یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ ہماری زبانوں سے کیا نکل رہا ہے۔ اسی کیفیت کے اظہار کے لیے یہ آیت نازل ہوئی

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	تحقیق تیرا پروردگار ان لوگوں کے لیے کہ جنہوں نے طرح طرح کے مصائب اور فتنوں کے بعد ہجرت کی اور پھر جہاد کیا اور صبر کیا ان باتوں کے بعد تیرا رب ان کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے۔

سیدنا صہیبؓ سب سے آخری مہاجر تھے۔ جب رختِ سفر درست کر کے ہجرت کا قصد کیا تو مشرکین قریش نہایت سختی کے ساتھ سدِ راہ ہوئے اور طعنہ زنی کرنے لگے کہ جب تم یہاں آئے تھے تو مفلس و محتاج تھے۔ مکہ میں رہ کر دولت و ثروت جمع کر لی ہے اور اب یہ تمام سرمایہ اپنے ساتھ لے جا رہے ہو۔ ہم ایسا ہرگز نہیں کرنے دیں گے۔

حضرت صہیب نے اپنا ترکش دکھا کر کہا — "اے گروہ قریش! تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ صحیح نشانہ باز ہوں۔ خدا کی قسم جب تک اس میں ایک بھی تیر ہے تم میرے قریب نہیں آ سکتے۔ اس کے

بعد پھر اپنی تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ ہاں اگر تمہیں مال و دولت کی حرص ہے تو وہ لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔" مشرکین نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور اس طرح سیدنا صہیبؓ اپنے مال و متاع کے عوض متاعِ ایمان کا سودا خرید کر مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مہمان تھے۔ حضرت صہیبؓ آپؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے قریش نے تنہا دیکھ کر روک لیا۔ بالآخر میں تمام دولت و ثروت کے عوض اپنی جان خرید کر حاضرِ خدمت ہُوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔

ربح البیع صہیبؓ نے اس بیع میں خوب نفع کمایا۔ کہ فانی چیز کے بدلے باقی رہنے والی ایمان کی دولت حاصل کر لی۔ اس کے بعد قرآن پاک نے ان کی اس عظیم الشان قربانی کی ان الفاظ میں داد دی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ لوگوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کے لیے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں۔

سیّدنا خبّاب بن ارتؓ

سیّدنا خبّاب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ عہدِ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے۔ ام انمار بنت سباع الخزاعیہ نے خریدا۔ موصوف ان سعادت مند بزرگوں میں سے ہیں جن کی کلاہِ فخر کا طرۂ امتیاز اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ہے۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ابھی حضرت ارقم کے گھر میں قیام پذیر نہیں ہوئے تھے کہ حضرت خبّابؓ اسلام کی نعمتِ لازوال سے مشرف ہو گئے۔ اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا، اسی بنا پر انہیں "سادس الاسلام" کہا جاتا تھا۔

ان کے اسلام قبول کرنے کے زمانہ میں اسلام کا اظہار تعزیراتِ مکہ میں ایسا شدید جُرم تھا جس کی سزا میں مال و دولت، ننگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا لیکن سیدنا خبابؓ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور برملا ڈنکے کی چوٹ اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ غلام ہونے کی وجہ سے کوئی بھی یار و مددگار نہ تھا۔ اس لیے کفّار نابکار نے انہیں ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنا لیا اور بڑی کرب ناک سزائیں دینے لگے۔ ننگی پیٹھ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینہ پر وزنی پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر بٹھا دیتے اور اس وقت تک ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بُجھا دیتی لیکن ان جاں گُسل سختیوں کے باوجود زبان بادۂ توحید کے ذائقہ کام نواز سے ایک مرتبہ آشنا ہو چکی تھی وہ کس طرح ظلم و جبر سے مرعوب ہو کر

کلمۂ حق سے انحراف کر سکتی تھی۔

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خباب کی ان مصیبتوں کا حال سن کر سخت ملول ہوتے اور تالیف قلب فرماتے لیکن ام انمار کو یہ گوارا تھا کہ آپ حضرت خبابؓ کی دلجوئی کریں۔ اس لیے آتشِ انتقام اور زیادہ شعلہ بار ہو جاتی اور آگ میں لوہا گرم کر کے ان کا سر داغتی تھی۔

ظلم وستم کی جب انتہا ہو گئی تو سیدنا خباب نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں درخواست پیش کی کہ میرے لیے بارگاہِ خداوندی میں دعا فرمایئے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ "خدایا خباب کی مدد فرما۔"

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر یہ ہوا کہ ام انمار کے سر میں عجیب وغریب تکلیف شروع ہو گئی اور وہ کتوں کی طرح بھونکتی تھی۔ لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ سر میں داغ لگوانا چاہیے۔ چنانچہ وہ اپنے غلام خباب سے کہتی اور وہ گرم کیا ہوا لوہا ام انمار کے سر پر رکھ کر داغ دیتے تھے۔

کَذٰلِکَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ

جب جسمانی سزا سے بھی آتشِ انتقام سرد نہ پڑی تو مالی نقصان پہنچانے کی مذموم حرکتیں شروع ہو گئیں چنانچہ حضرت خبابؓ لوہار کا کام کرتے تھے اور تلواریں بنا کر بیچتے تھے۔ اسی سلسلہ میں عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا۔ جب یہ تقاضا کرتے تو وہ جواب میں کہتا کہ جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہیں کرتے میں اس وقت تک رقم ادا نہیں کروں گا۔ حضرت خبابؓ فرماتے اگر تم مر کر دوبارہ زندہ ہو جاؤ تب بھی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ عاص کہتا اچھا جب میں مر کر پھر زندہ ہو جاؤں گا مجھے مال اور اولاد ملے گی، اس وقت تمہارا قرض بھی ادا کر دوں گا۔ (اس کا یہ کہنا عقیدۂ قیامت پر ایک طرح کی تعریض تھی) اس واقعہ پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ	اے محمدؐ! کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی
لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۔ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ	جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا کہ
اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا کَلَّا سَنَکْتُبُ	(قیامت میں بھی) مجھے مال اور اولاد ملے گی کیا
مَا یَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا	اسے غیب کی خبر ہو گئی یا اس نے خدائے رحمٰن
وَّنَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ وَیَاْتِیْنَا فَرْدًا	سے عہد لے لیا ہے۔ ہرگز نہیں یہ جو کچھ کہتا ہے

ہم اسے لکھ لیتے ہیں اور اس کے عذاب میں ڈھیل دیتے چلے جائیں گے اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس

کے رب ہیں اور یہ تنہا ہمارے سامنے پیش کیا جائے گا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے فرمائش کی کہ تم نے مکہ میں جو مصیبتیں برداشت کیں انہیں ذرا بیان کرو۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اپنی پشت دکھائی جو عرصہ دراز گزر جانے کے باوجود بزبانِ حال قریش کے مظالم پر نوحہ خواں تھی۔ حضرت فاروق نے فرمایا "آج تک میں نے کسی کی پشت ایسی نہیں دیکھی"۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے فرمایا آگ جلا کر مجھے اس پر لٹایا جاتا۔ جب تک میری پشت کی چربی پگھل کر اسے بجھا نہ دیتی مجھے اٹھایا نہ جاتا تھا"

اسلام کی یہ عجیب شان ہے کہ وادیٔ فاران کے داعیٔ حق کی دعوت توحید پر کفر و شرک کی شدید مخالفتوں اور عداوتوں کے باوجود جن بزرگوں نے سب سے پہلے اس دعوت کو قبول کیا ان میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ قریش کے ساتھ حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت عمار اور حضرت خباب رضی اللہ عنہم جیسے "غلاموں" کے اسمائے گرامی بھی نظر آتے ہیں جن کی ذات گرامی اسلام کے لیے سرمایۂ افتخار اور جن کے اعمال مسلمانوں کے لیے باعثِ تقلید تھے۔ یہی وہ بزرگ تھے جنہوں نے سطوتِ اسلام کا پرچم لہرایا اور اس کی عظمت و بزرگی کا اعتراف اہلِ عالم سے کرایا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔

ابو فکیہہ جہنی رضی اللہ عنہ

ابو فکیہہ کنیت اور یسار نام تھا لیکن کنیت ہی سے مشہور رہے۔ صفوان بن امیہ کے غلام تھے۔ دعوتِ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف با سلام ہوئے۔ آغازِ دعوت میں جہاں آزاد مسلمان بھی مشرکین کے غیظ و غضب سے محفوظ نہیں تھے، بے یار و مددگار غلاموں کا پرسانِ حال کون ہو سکتا تھا۔ اسلام قبول کرتے ہی سنگدل آقا کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئے اور بنو عبد دار طرح طرح کی دردانگیز سزائیں دیتے تھے۔ ٹھیک دوپہر کو تپتی ہوئی ریت پر منہ کے بل لٹا کر پیٹھ پر ایک بھاری پتھر رکھ دیتے تاکہ جنبش نہ کر سکیں اور اس عبرت انگیز سزا کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا جب تک ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ نیم مردہ نہ ہو جاتے۔ ایک مرتبہ ذریدہ صفت امیہ نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر گھسیٹ کے جلتی ہوئی ریت میں ڈال دیا۔ ادھر سے اس کا بیٹا صفوان گزرا۔ یہ بھی "گرگ زادہ" ہی تھا۔ ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگا۔ کیا یہ (امیہ) تیرے رب نہیں ہیں؟ اس جاں گداز حالت میں بھی انہوں نے فرمایا ربی اللہ میرا رب اللہ ہے۔ اس حق گوئی و بے باکی سے صفوان نے غضب ناک ہو کر ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ کا گلا گھونٹنا شروع کر دیا۔ اس کے دوسرے بھائی نے

ملکارا کر ذرا اور زور سے ۔ صفوان نے شکنجہ خوب کس دیا اور اس وقت چھوڑا جب موت کا خطرہ پیدا ہوگیا ۔ حسنِ اتفاق سے اسی وقت ستم زدہ غلاموں کے مولیٰ ابو بکر صدیق رضؓ ادھر سے گذرے ۔ اس جان کنی کی حالت میں دیکھ کر دل بھر آیا اور فوراً خرید کر فی سبیل اللہ آزاد کر دیا ۔

سیّدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

سیّدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہٗ فطرۃً سلیم الطبع، نیک نفس و پاکباز تھے ۔ ایام جاہلیت میں عرب کا ہر بچہ مست خرافات تھا لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے ناآشنا تھی اور کہا کرتے تھے کہ ایسی چیز پینے سے کیا فائدہ جس سے انسان کی عقل میں فتور آجائے ۔ ذلیل و کم رتبہ آدمی اس کا تمسخر اڑائیں اور نشہ کی حالت میں ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے ۔

اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوحِ دل بالکل صاف تھا ۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و تلقین نے بہت جلد توحید کا نقش ثبت کر دیا ۔ اربابِ سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف تیرہ (۱۳) صحابہ کرامؓ ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے تھے کہ چند دیگر جلیل القدر صحابہؓ کے ساتھ حضرت عثمان بن مظعونؓ مشرف باسلام ہوئے ۔

۵ نبوی میں بلاکشانِ اسلام کی ایک جماعت نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی ۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ اس بے خانماں گروہ کے امیر تھے ۔ عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے پھر واپس تشریف لائے لیکن جب مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ خبر بے بنیاد ہے جس سے سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا جبکہ مکہ میں داخل ہونے پر مشرکین کا خوف دامن گیر تھا ۔ غرض اسی حیص بیص میں جہاں تک پہنچے تھے وہیں رک گئے اور جب ان کے تمام ساتھی ایک ایک کر کے اپنے مشرک اعزّہ و احباب کی پناہ میں مکہ معظمہ پہنچ گئے تو وہ بھی ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہو گئے ۔

اگرچہ ولید بن مغیرہ کی وجہ سے حضرت عثمانؓ مشرکین کی اذیتوں سے محفوظ ہو گئے تھے لیکن محبوب انس و جانّ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی مبتلائے مصیبت دیکھ کر ذاتی راحت و اطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور ایک روز خود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت کرنے لگے ۔

"افسوس! میرے احباب اور خاندان کے لوگ راہِ خدا میں طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں۔ خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔"

اس خیال نے ایسا بے تاب کیا کہ ولید بن مغیرہ کو مجبور کر کے حمایت ختم کرنے کا اعلان کروالیا۔ اس کے بعد قریش کے ایک نامور شاعر لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس میں رونق افروز تھے کہ لبید نے اپنا قصیدہ سُنانا شروع کیا۔ جب اس نے یہ مصرعہ پڑھا

الا کل شیء ما خلی اللہ باطل   یعنی خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں

تو حضرت عثمانؓ نے بے اختیار داد پیش کی کہ تم نے سچ کہا۔ جب شاعر نے دوسرا مصرعہ پڑھا

کل نعیم لامحالۃ زائل   تمام نعمتیں یقیناً زائل ہو جائیں گی

حضرت عثمانؓ نے کہا یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اس پر تمام مجمع نے غضب ناک ہو کر انہیں دیکھا اور لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے اعادہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی۔

ولید شرمسار ہو گیا اور قریش سے کہنے لگا۔ خدا کی قسم تمہاری مجلسوں کا یہ حال پہلے نہ تھا۔ اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع سیخ پا ہو گیا۔ ایک بدبخت نے حضرت عثمانؓ کو اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد پڑ گئی۔ لوگ کہنے لگے۔ "عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت میں بے حد معزز تھے اور تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی۔"

انہوں نے فرمایا — "خدا کی حمایت سب سے زیادہ امن فراہم کرنے والی اور عزت دار ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے وہ بھی اپنے رفیق کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے۔"

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرصہ تک مکہ مکرمہ میں صبر و سکون کے ساتھ مظالم برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ اپنے خاندان کے ساتھ جن میں ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون اور دیگر لوگ شامل تھے اس سرزمینِ امن میں پہنچ کر سکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔

حضرت ابورافعؓ کی داستانِ ابتلا سیدنا ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابتدا میں حضرت عباسؓ کے

کے غلام تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا تھا۔ پھر جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسرت میں ابو رافع کو آزاد کر دیا۔ حضرت ابو رافع ؓ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے دل پر نبوت کا پرجلال چہرہ ہی دیکھ کر اسلام کا نقش بیٹھ گیا۔ وہ بیان کرتے تھے کہ مجھے ایک مرتبہ قریش نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کام کے لیے بھیجا۔ آپ کا چہرۂ پُرضیا دیکھتے ہی میرے دل میں اسلام کی حقانیت جلوہ گر ہو گئی۔ انہوں نے عرض کی کہ اب میں واپس نہیں جاؤں گا۔ لیکن آپ نے فرمایا۔ میں قاصد کو نہیں روکتا اور نہ ہی عہد شکنی کرتا ہوں۔ اس وقت تم لوٹ جاؤ۔ اگر کچھ دنوں تک بدستور تمہارے دل میں اسلام کا جذبہ شعلہ بار رہا تو پھر چلے آنا بنابریں واپس مکہ مکرمہ آ گئے۔

لیکن غزوۂ بدر تک جابرۂ قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہ کیا۔ ایک دن چاہِ زم زم کی چاردیواری میں بیٹھے تیر درست کر رہے تھے۔ حضرت عباس ؓ کی اہلیہ بھی پاس بیٹھی تھیں کہ اتنے میں ابولہب آ گیا اور حجرہ کی طناب کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ابوسفیان بھی آئے۔ ابولہب ان سے بدر کے حالات دریافت کرنے لگا۔ اس نے کہا کیا پوچھتے ہو۔ مسلمانوں نے ہماری ساری قوت تباہ کر دی۔ بہتوں کو تہِ تیغ کر ڈالا۔ کتنے ہی گرفتار کر لیے گئے۔ اس سلسلہ میں ایک انتہائی تعجب انگیز واقعہ دیکھنے میں آیا کہ میدانِ جنگ میں زمین سے آسمان تک سفید پوش سوار بہت بڑی تعداد میں دکھائی دے رہے تھے۔

اس پر حضرت ابو رافع کہنے لگے۔ وہ فرشتے تھے۔ یہ سنتے ہی ابولہب نے ان کے منہ پر زوردار طمانچہ مارا۔ یہ بھی اس سے دست و گریباں ہو گئے۔ لیکن ابولہب نے پٹک دیا اور سینہ پر چڑھ کر دیر تک زدوکوب کرتا رہا۔ حضرت عباس ؓ کی بیوی یہ ظلم دیکھ کر برداشت نہ کر سکیں اور ایک بڑی لکڑی اٹھا کر ابولہب کے سر پر ماری جس سے اس کا سر کھل گیا اور بولیں۔ اس کا آقا یہاں موجود نہیں اس لیے کمزور سمجھ کر مار رہا ہے۔ بعد میں ہجرت کرنے پر ظلم و ستم کا دور ختم ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ

سیدنا عبد اللہ بن سہیل ؓ مکہ مکرمہ میں اسلام میں داخل ہوئے اور سرزمین حبش کی دوسری ہجرت میں شریک ہوئے۔

حبش سے واپس آئے تو ان کے والد نے پکڑ کر قید کر دیا اور سخت اذیت پہنچائی۔ بالآخر حضرت عبداللہ ان جفا کاریوں سے تنگ آ کر جمالِ توحید کو شرک کے پردہ میں چھپانے پر مجبور ہو گئے۔ حتیٰ کہ ان کے والدین اور مشرکینِ قریش نے ان کی ظاہری حالت سے یقین کر لیا کہ وہ بندگانِ توحید کے دائرہ سے باطل پرستوں کے حلقہ میں پھر واپس آ گئے۔ اسی بنا پر باپ غزدۂ بدر میں شرک کی حمایت میں اپنے ساتھ بھی لے گیا۔

لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ جو دل نورِ ایمان سے ایک دفعہ روشن ہو چکا ہے وہ کبھی تاریک نہیں ہو سکتا۔ غرض میدانِ بدر میں جب حق و باطل کے فدائی ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے تو حضرت عبداللہ شرک کا ظاہری جامہ چاک کر کے آغازِ جنگ سے پہلے لوائے توحید کے نیچے آکھڑے ہوئے۔ اس واقعہ سے ان کا باپ سخت غضب ناک ہوا اور جنگ شروع ہونے پر غیظ و غضب کے ساتھ حملہ آور ہوئے لیکن اب وہ دامانِ نبوتؐ میں آزاد ہو چکے تھے۔ اخوانِ ملت کی پشت پناہی اور ہادیٔ دین کے سایۂ عاطفت نے دل بڑھا دیا تھا۔ نہایت بہادری و شجاعت سے لڑے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح و کامرانی سے ہمکنار کر دیا۔ پھر جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو انہوں نے دربارِ نبوت میں اپنے والد کے لیے امان طلب کی۔ آپؐ نے امان دے کر حاضرین سے فرمایا۔ "سہیل بن عمرو کو کوئی شخص نگاہِ حقارت سے نہ دیکھے۔ قسم ہے کہ وہ نہایت ذی عزت و دانشمند ہے۔ ایسا شخص محاسنِ اسلام سے ناواقف نہیں ہو سکتا اور اب تو اس نے دیکھ لیا ہے کہ وہ جس کا حامی تھا اس میں کوئی منفعت نہیں ہے۔"

حضرت عبداللہ رضؓ نے اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہو کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سنایا اور امان کی بشارت دی تو ان کا دل اپنے لختِ جگر کی سعادت مندی پر تشکر آمیز شفقت سے لبریز ہو گیا۔ بولے خدا کی قسم یہ بچپن ہی سے سعادت مند و نیکو کار ہے۔ (جاری ہے)

جب دو بھائی مصافحہ کرتے ہیں تو ان میں ستر رحمتیں تقسیم کی جاتی ہیں۔ انہتر رحمتیں اسے ملتی ہیں جو ان دونوں میں زیادہ خندہ رو، کشادہ پیشانی والا ہوتا ہے اور ایک رحمت دوسرے کو۔ (حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم)

ماہنامہ "حق چاریارؓ" لاہور کے سالانہ زرِ تعاون میں معمولی اضافہ

ماہنامہ حق چاریارؓ لاہور کا پیشِ نظر شمارہ بعض ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ کی دو اشاعتوں کے قائم مقام شائع کیا گیا ہے۔

ہم قارئین کرام سے معذرت خواہ ہیں کہ گذشتہ شمارہ محکمہ ڈاک کے عملے کی "کرم فرمائی" کی وجہ سے کافی تاخیر سے آپ کے ہاں پہنچا جس کی وجہ سے آپ کو انتظار کی زحمت گوارہ کرنی پڑی۔

"حق چاریارؓ" کے قارئین اس صورتِ حال سے یقیناً باخبر ہیں کہ ملک میں اشیائے ضرورت کی قیمتیں مسلسل بڑھتی رہتی ہیں اور آج تک کسی دور میں کسی چیز کے نرخ میں کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ یہی صورت طباعت کی مارکیٹ میں ہے۔ کاغذ کی قیمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ رسائل وجرائد اور کتب واخبار کی طباعت کے لیے نہایت مہنگے داموں کاغذ دستیاب ہو رہا ہے نیز کتابت، طباعت، بائنڈنگ اور دیگر اخراجات تیس سے چالیس فی صد تک بڑھ گئے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ پرچے کی ترسیل کے لیے ڈاک ٹکٹ میں کہیں ڈیوڑھا اور کہیں دگنا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان تمام اخراجات کو طوعاً وکرہاً قبول کیے بغیر پرچے کی تکمیل وترسیل دونوں ناممکن ہیں۔ ہم نے کئی ماہ تک اس کشمکش و پیچ میں بسر کیے ہیں کہ کسی طرح ان اخراجات کا بوجھ قارئین پر نہ ڈالا جائے ——— حق چاریارؓ کے سلسلے میں یہ اظہار بھی کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ محبوب مجلّہ پہلے ہی خود کفیل نہیں ہے۔ خریداروں کے سالانہ زرِ تعاون سے اس کے تمام مصارف پہلے بھی پورے نہیں ہوتے بلکہ اس کا زیادہ تر بوجھ جماعت کے کندھوں پر ہے۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر جہاں دیگر ذرائع سے اس کی مالی کفالت کی کوشش کی جا رہی ہے وہاں اس ماہ سے سالانہ زرِ تعاون بھی پچاس روپے کے بجائے ساٹھ روپے کر دیا گیا ہے یعنی صرف دس روپے سالانہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ حضرات اس کو بالکل معمولی اضافہ تصور کریں گے بلکہ ہم آپ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آپ خریداروں میں بھی اضافہ کرنے میں تعاون فرمائیں گے تاکہ "حق چاریارؓ" زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچے۔

شبیر احمد میواتی

صداقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم
اور
مقبولیت صحابہ کرامؓ و خلفائے راشدینؓ

حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی کا مدنی جامع مسجد چکوال میں خطاب

۱۹ اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ کو حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی زید فیضھم (جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ) چکوال تشریف لائے۔ بعد از نماز عشاء مدنی جامع مسجد میں "صداقت رسالت مآبؐ اور مقبولیت صحابہ کرامؓ و خلفاء راشدینؓ" کے موضوع پر ایک جامع تقریر فرمائی جو قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ ★ (ادارہ)

حضرت مولانا موصوف نے خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا:

بزرگان محترم، برادران عزیز!

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیائے کرامؑ کو بھیجا ہے کہ لوگ اس دُنیا کے بنانے (تخلیق) کے مقصد کو پہچانیں اور ہم کو اس دُنیا میں عارضی طور پر بھیجا گیا ہے۔ اس عارضی زندگی کو اصلی زندگی کی کامیابی کا ذریعہ بنائیں۔ ایسے کام کریں، ایسے طریقے پر چلیں جو اللہ نے دُنیا کی زندگی کو کامیاب کرنے کے لیے بنائے ہیں۔ آخرت کی اصلی زندگی، دوامی زندگی، جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ وہاں کی کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے دنیا میں کیسے رہو اور کیا کرو اور کیا مت کرو۔

اللہ نے بتایا ہے اور بتانے کے لیے انبیاء کرامؑ کو اور خاص طور پر تمام انبیائے کرامؑ کے سردار سید الاولین والآخرین اللہ کے سب سے بڑے محبوب اور آخری نبی آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ آپؐ نے اس ڈیوٹی کو پوری طرح انجام دیا۔ آپؐ

کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ یتیم دُنیا میں تشریف لائے اور پہلے دن سے جس نے بھی آپؐ کو قریب سے دیکھا، آپؐ کی شخصیت کو دیکھا آپؐ کی شخصیت اور کمالات کا دل سے معترف ہوگیا۔ آپؐ کو عرب کے دستور کے مطابق دودھ پلانے کے لیے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لے گئیں۔ میں تفصیل میں نہیں جاتا لیکن حضورؐ کا بچپن دُودھ پینے کا زمانہ ان کے پاس گذرا۔ جب وہ ہجرت کے بعد حضورؐ کی خدمت میں مدینہ منوّرہ آئی ہیں، حضورؐ نے اپنی رضاعی ماں کا جن کا دودھ پیا تھا بڑا اعزاز اور اکرام کیا۔ اپنی چادر بچھائی ان کے بیٹھنے کے لیے اور بہت خاطر تواضع کی۔ اس وقت انہوں نے حضورؐ سے سوال کیا۔

کہنے لگیں —— "بیٹا! بچّے دُنیا کے ہوتے ہیں اور مائیں اور دوسری عورتیں جس طرح چاہیں ان کو رکھتی ہیں۔ کبھی کوئی بچّہ ماں کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کر پاتا۔ جس طرح چاہیں رکھیں، جس طرح چاہیں دُودھ پلائیں لیکن پورے دودھ پینے کی مدّت میں بلا ارادہ اور بالمقصد بالارادہ دونوں طرح میں نے بار بار کوشش کی، سوتے جاگتے کہ کبھی تم بائیں طرف سے بھی دُودھ پی لو، مجھے کامیابی نہیں ہوئی۔ صرف داہنی طرف سے دودھ پیتے رہے۔ آخر یہ کیا بات تھی؟ آج تک کبھی کسی بچّے کو دیکھا نہیں سُنا نہیں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا معاملہ ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا کہ ٹھیک کہتی ہیں آپ۔ یہی بات ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دنیا میں ظلم مٹانے اور انصاف پھیلانے کے لیے بھیجا ہے۔ آپ کے دودھ میں میرے ساتھ آپ کے بیٹے یعنی میرے رضائی بھائی بھی شریک تھے۔ اس لیے میں نے داہنی طرف کا دودھ اپنے لیے اور بائیں طرف کا دودھ اپنے بھائی، آپ کے بیٹے کے لیے چھوڑا۔

اور پھر آپ نے چاہے جتنی کوشش کی ہو میں نے کبھی بائیں طرف سے، جو بھائی کے لیے چھوڑا اس میں کبھی ایک گھونٹ بھی دودھ نہیں پیا، زیادتی نہیں کی۔ جو اپنے بھائی کے ساتھ انصاف نہ کر سکے، دنیا میں کیا انصاف پھیلائے گا۔

اس طریقہ سے بچپن ہی کا واقعہ ہے۔ حضورؐ اپنے رضائی بھائیوں کے ساتھ جنگل تشریف لے جاتے ہیں۔ بکریوں کو دیکھتے، لکڑیاں چُنتے اور دوسرے کاموں میں لگے رہتے۔ دودھ پینے

کا زمانہ بالکل ابتدائی تھا۔

شقِ صدر کا واقعہ پیش آیا۔ آپ کے رضاعی بھائی ہانپتے کانپتے دوڑتے حضرت حلیمہؓ کے پاس پہنچے اور گھبرائے کہا۔" اماں! دوڑو دوڑو، ہمارے بھائی کو دو آدمی آئے، لٹایا اور سینہ چاک کر دیا۔"

حضرت حلیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دُنیا میں ایسا بچّہ دیکھا نہیں تھا۔ اور ہر ایک آدمی جو حضورؐ کو تھوڑی دیر بھی دیکھتا ساتھ رہ کر وقت گزارتا وہ دل وجان سے فریفتہ ہوجاتا تھا۔ انہوں نے تو پوری رضاعت کی مدّت ساتھ گذاری تھی۔ وہ ہانپتی، کانپتی دوڑتی پہنچیں۔ دیکھا کہ حضورؐ کھڑے ہیں اور بہت خوف کا غلبہ ہے اور پریشانی کا، چہرہ مُبارک زرد ہے اور زخم کا کوئی اثر نہیں۔ پوچھا بیٹا! کیا بات تھی؟

حضورؐ نے فرمایا۔" دو آدمی آئے۔ ایک آدمی ایک طشت میں پانی لیے ہوئے تھا اور ایک طشت میں دوسرا کوئی سفید سفید چیز لیے ہوئے تھا۔ مجھے لِٹایا، میرا سینہ چیرا، دل نکالا پانی سے دھویا اور وہ سفید سفید چیز دل پر رکھ کر ہاتھ پھیر دیا۔ برابر ہوگیا۔"

اب یہ ایسی بات ہے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی سمجھ میں نہیں آتی اور اس عمر میں جو حضورؐ کی اور آپ کے بھائیوں کی ہے ایسی کہانی گھڑنے کا کوئی تصوّر نہیں ہوسکتا۔ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہت پریشان ہوئیں۔ یہ فیصلہ کرلیا کہ سارے عرب کے مخدوم خاندان کے نونہال کو اگر کچھ ہوگیا، یہ ایسا بچّہ ہے تو کیا منہ دکھلاؤں گی۔ حضورؐ کو لے کر واپس آگئیں اور آپؐ کی والدہ حضرت آمنہ سے کہا کہ میں نے آج تک رکھا، اب یہ آپ کی امانت آپ کے سُپرد ہے۔

حضورؐ مکّہ مکرّمہ آ گیے۔ والد کا انتقال ہوچکا ہے چھ سال کی عمر میں والدہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ نہ گھر میں والدہ رہیں نہ باہر والد۔ اب دادا آپ کے نگران ہیں۔ اُسی زمانے کا قصّہ ہے کہ مکّہ میں قحط پڑا۔ بارش نہیں ہوئی۔ کھیتیاں جل گئیں، باغ جل گئے، کنوئیں سے پانی اُتر گئے۔ جانور پیاسے ہیں۔ گھاس نہیں ملتی۔ دودھ بند ہوگیا۔ لوگوں کا جینا مشکل ہے۔ پریشان ہیں۔ حضورؐ کے دادا عبدالمطلب مکّہ کے سب سے بڑے سردار تھے۔ آپ نے، بچپن کی عمر ہے

حضورؐ کو گود میں اٹھایا اور اللہ سے دُعا شروع کی کہ "الٰہ العالمین! ہم پریشان ہیں، جانور پریشان، کھیتیاں جل گئیں، باغات سوکھ گئے، کنویں اُتر گئے، پینے کو پانی نہیں، زندگی دوبھر، ہم پر رحم فرما۔ یہ بچہ آپ کو بہت پیارا ہے۔ ان کے طفیل، ہم ان کے واسطے سے دُعا کرتے ہیں۔ ان کے واسطے ہماری خشک سالی دُور ہو جائے، بارش برس جائے۔" حضورؐ کے دادا اٹھائے ہوئے گود میں آسمان کی طرف اٹھا کر یہ دُعا کر رہے ہیں۔

اور دُعا مانگتے ہی ملنگتے ختم نہیں ہوئی کہ بادل آیا، پھیلا، بارش ہوئی اور سارا قحط دُور ہو گیا۔

حضورؐ کی عمر شریف آٹھ برس ہے کہ دادا کا انتقال ہو گیا۔ اب گھر میں کوئی نہیں۔ چچا ابوطالب نگران ہیں لیکن غریب ہیں اولادیں زیادہ ہیں۔ سرداری کے جھگڑے ہیں۔ فرصت نہیں ملتی کہ کمائیں اور فارغ البالی ہو۔ تنگی سے گزر ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آٹھ برس ہے۔ حضورؐ اپنا بوجھ اس عمر میں اپنے چچا پر نہیں ڈالتے۔ جنگل تشریف لے جاتے ہیں، بکریوں کو چراتے ہیں اور اپنا بوجھ خود اٹھاتے ہیں۔ اس طرح حضورؐ کے بچپن کی عمر کا یہ زمانہ مکہ کے جانور چرانے والے بچوں کے ساتھ گزرتا ہے۔

جنگل میں جو مکہ کے بچے اپنے جانور چرانے آتے ہوں گے ان کا کیا حال ہوگا جب مکہ والوں کا یہ حال ہے کہ وہ پانی کی طرح شراب پیتے تھے۔ گھر گھر جوا، یہاں تک کہ خانہ کعبہ میں، اللہ کے گھر میں بیٹھ کر جوا، سود گھر گھر، اللہ نے سود کو حرام کیا اور الٹی میٹم دیا کہ سود کے پیسے جو اب تک تم نے لوگوں پر لازم کر رکھے ہیں، یا تو چھوڑ دو نہیں تو ہم سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (البقرہ ۲۷۹) اللہ سے لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ اگر تم چھوڑتے نہیں سود کے پیسے۔ تو جب سود کو حرام کیا اللہ نے تو وہ کہنے لگے۔ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا (البقرہ ۲۷۵) تجارت سے بھی نفع ہوتا ہے۔ سود سے بھی نفع ہوتا ہے۔ یہ اللہ میاں کو کیا ہو گیا ہے کہ سود کو حرام کر دیا۔ جب تجارت جائز ہے سود بھی جائز ہونا چاہیے۔ اُن کی کھوپڑی میں نہیں گھستا تھا۔

گھر گھر سود، بے حیائی کا یہ عالم کہ مادر زاد ننگے چلتے، پیشاب کرتے چلتے چلتے۔ عورتیں اور مرد ایک دوسرے کے سامنے آجاتے، خانہ کعبہ کا طواف ننگے کرتے۔ یہ حال تھا۔ قتل، لوٹ مار، زنا

اور خوں ریزی ۔ ہر ایک عیب۔

لوگ اپنے باپ دادا کے کمالات شعر بنابنا کر سُنائیں اور بھی گندی چیزیں بیان کریں ۔ اس شہر کے نیچے جو جانور چرانے جاتے ہیں ان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بچپن گزر رہا ہے ۔ نہ ماں ہے نہ باپ ہے اور سارا عالم ایک طرف اور تنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف پورے عالم میں کہیں کسی شخصیت میں بھی معمولی ذرّے کے برابر بھی کمال حضور جیسا نہیں دکھایا جاسکتا ۔ جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے ۔

سچائی ایسی مثالی پہلے دن سے لے کر آخری دن تک بڑے سے بڑے دشمن کو بھی تنہائی میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہنے کی ہمّت نہیں ہوتی ۔

ایک صحابیؓ اسلام لانے کے بعد اپنا قصّہ سُناتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں کافر تھا ، اسلام نہیں لایا تھا تو اپنے گاؤں سے مکّہ گیا اور مکّہ میں جا رہا تھا کہ سب سے بڑے دشمن ، کافروں کے سردار ابوجہل سے ملاقات ہوگئی ، عمر ابن ہشام ابوجہل سے ملاقات ہوگئی مکّہ کے راستے میں ۔ میں نے اُس سے پوچھا ۔ بھائی ! یہ جو تمہارے رشتے کے بھتیجے ہیں حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا جھوٹ بولتے ہیں ؟

ابوجہل نے کہا ۔ خبردار ! ہرگز نہیں ، بڑے سچّے ہیں ، بڑے سچّے ہیں ۔ جب کہا سچ کہا ۔ کوئی آج تک انہوں نے غلط بات نہیں کہی ۔ کسی کو غلط بات کہتے ہوئے دھوکہ آج تک نہیں دیا ۔ جب بولتے ہیں سچ بولتے ہیں ۔

وہ صحابی کہتے ہیں میں نے یہ بات پلٹ کر ابوجہل کو کہی کہ وہ جب اتنے سچّے اتنے سچّے تو اللہ کے بندو جھگڑا کیوں کر رکھا ہے ۔ مان لو ان کی بات ، جھگڑا ختم کر دو ۔ تو ابوجہل بولا بالکل ٹھیک کہتے ہو ۔ اسی قابل ہیں ، معاملہ ایسا ہی چاہیئے بڑے سچے ہیں ۔ دُنیا میں ایسا سچّا کوئی نہیں لیکن بات یہ ہے کہ اس نام کا کیا ہوگا ؟ اگر ہم ان کو مان لیں ، ایمان لے آئیں تو امّتی ہو جائیں گے ۔ ان کی اُمّت میں داخل ہو جائیں گے ، ان کو نبی ماننا پڑے گا ، ان کے پیچھے چلنا پڑے گا ۔ ہماری چودھراہٹ خاک میں مل جائے گی ۔ ہم جو ان سے اختلاف کر رہے ہیں مخالفت کر رہے ہیں ، ستا رہے ہیں وہ اس لیے نہیں کہ وہ غلط کہتے ہیں ، ان جیسا سچّا تو دُنیا

میں کوئی نہیں، پر بات یہ ہے کہ اپنی چوہدراہٹ کی خاطر ہم ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔

تو اس طریقے سے دو کافر بات کر رہے تھے۔ کوئی بھی ایمان دار وہاں نہیں ہے کہ کسی کی وجہ سے اقرار کریں ایسا بھی نہیں ہے۔ دو کافروں کی بات ہو رہی ہے اور کافر بھی دشمنوں کا سردار سب سے بڑا لیکن اس کی ہمت نہیں ہے کہ وہ حضورؐ کے متعلق غلط بیانی کا جھوٹا الزام لگا سکے اتنی ہمت نہیں ہے بادشاہوں کے دربار میں بھی۔

صلح حدیبیہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے سرداروں اور بادشاہوں کو خطوط لکھے اور یہ کہا کہ اسلام لے آؤ، سلامت رہو گے اور بربادی سے بچو گے، دنیا اور آخرت میں نجات پاؤ گے وغیرہ وغیرہ۔

جب یہ خط روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس پہنچا اس وقت دنیا میں دو بڑی طاقتیں تھیں روم اور فارس۔ روم کا بڑا بادشاہ عیسائی تھا۔ ہرقل کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچا تو اس نے کہا کہ ڈھونڈو، کوئی ایسا آدمی تلاش کرو جو ان کے قریب کا ہو، رشتہ دار ہو، جاننے والا ہو تاکہ حالات کو معلوم کیا جائے۔

تلاش کیا گیا تو کفار مکہ کے ایک بڑے سردار ابو سفیان کو پکڑ لیا۔ ابو سفیان اپنے چار پانچ ساتھیوں کے ساتھ تجارت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ہرقل نے کہا کہ تم میں سے سب سے زیادہ قریب کون ہے تو لوگوں نے کہا کہ یہ ہیں سب سے زیادہ قریب رشتہ دار ابو سفیان۔

ہرقل نے کہا کہ آگے آجاؤ، آگے بیٹھو۔ دوسروں سے کہا کہ تم پیچھے بیٹھ جاؤ۔ اگر یہ کوئی غلط بات کہیں تم اشارہ کر دینا کہ یہ بات صحیح نہیں کہہ رہے۔

ہرقل نے سوال کیا کہ یہ جو حضرت محمدؐ ہیں یہ نسب میں کیسے ہیں؟

انہوں نے کہا سب سے اعلیٰ درجہ کا نسب، سارے مکہ میں اشرف۔

ہرقل نے کہا اچھا بتاؤ ان کے باپ دادا میں کوئی ایسا گزرا ہو جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو؟

انہوں نے کہا نہیں کوئی نہیں گزرا۔

اُس نے کہا کہ کوئی بادشاہ گزرا ہو؟

انہوں نے کہا نہیں ایسا بھی نہیں ہوا۔

ہرقل نے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ ان کے ماننے والے غریب زیادہ ہیں یا دولت مند زیادہ ہیں۔ مہینہ دو مہینہ سال دو سال کے بعد ایسا ہوا ہو کہ ان کا لوگ ساتھ چھوڑ دیں۔ ایسا بھی کبھی ہوا ہے؟
انہوں نے کہا کہ ماننے تو لوگ کم ہیں لیکن جو مان لیتا ہے ایک دفعہ، چاہے رگ رگ کاٹ ڈالیں، قیمیوں ہتھکڑ لیں، زنجیروں، بیڑیوں میں جکڑا جائے، کتنا بھی مارا جائے، جان تو دے دیتے ہیں مگر انکار نہیں کرتے اور غریب ہی زیادہ مان رہے ہیں۔ آج تک کسی ماننے والے نے انکار کیا ہو یہ تو ہوا ہی نہیں۔

پھر اُس نے پوچھا کہ وہ اللہ کا نبی اپنے آپ کو کہتے ہیں، لازم ہے اچھی اچھی باتیں کریں گے، لیکن بچپن، جوانی، دوستی، دشمنی کسی موقع پر انہوں نے غلط بول کر دھوکہ دیا ہو، کبھی ایسا ہوا ہے؟
ابو سفیانؓ جب ایمان لے آئے فتح مکہ کے بعد، کہتے ہیں۔ وہ خود یہ قصہ سناتے ہیں کہ میرا دل تڑپ رہا تھا کہ اگر کہیں اتنا بڑا بادشاہ ایمان لے آیا تو ہم تو مٹی میں مل جائیں گے، ساری دنیا میں اسلام پھیل جائے گا۔ کیسے اس کے دل میں اسلام کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت بٹھاؤں، کیا کہوں، لیکن کوئی موقع نہیں مل رہا تھا، مجبور رکھے۔ اتنی زندگی گزری بچپن بھی، جوانی بھی، دشمنیاں بھی، دوستیاں بھی آج تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی غلط کہہ کر کسی کو دھوکہ نہیں دیا۔ جب کہا سچ کہا، جب کہا سچ کہا، جب کہا سچ کہا۔
تو دشمن ہیں، دشمنوں کے سردار ہیں، دنیا کے بہت بڑے بادشاہ کے دربار میں ہیں اور دل تڑپ رہا ہے کہ کیسے نفرت بٹھاؤں، اس کے دل میں ہے کہ ایسا نہ ہو کہیں اسلام لے آئے لیکن مجبور ہیں کہ غائبانہ حضور کی سچائی کا اقرار کریں۔ کوئی وہاں مسلمان نہیں تھا۔ وہ عیسائی ہیں اور یہ مشرک، حضورؐ کی سچائی کا اقرار کر رہے ہیں۔ اس نے ساری باتیں سنیں اور کہنے لگا کہ اللہ کے سچے نبی جو ہوتے ہیں ان کو غریب ہی زیادہ مانتے ہیں اور سچائی کو دیر ہی میں آدمی قبول کرتے ہیں کیونکہ سچائی جو ہے وہ نفس کے خلاف ہوتی ہے۔ اور کہنے لگا اگر تم کہتے ہو کہ ان کے باپ دادا بادشاہ تھے تو میں سوچتا کہ بادشاہت حاصل کرنے کے لیے انہوں نے یہی طریقہ سوچا ہوگا۔ اگر تم یہ کہتے کہ ان کے باپ دادا میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو میں

سوچا کہ انہوں نے سوچا کہ میں بھی کر دوں۔ اور ظالمو! جس نے بچپن میں جھوٹ نہیں بولا جس نے جوانی میں جھوٹ نہیں بولا جس نے کسی کی دشمنی میں جھوٹ نہیں بولا، دوستی میں جھوٹ نہیں بولا۔ ساری زندگی اس طرح سچائی کے ساتھ گذر گئی آج بڑھاپے میں اللہ کا نبی نہ ہو اور جھوٹ کہہ دے کہ میں اللہ کا نبی ہوں، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یقیناً وہ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ تم لوگوں کو ماننا چاہیے تو اس طریقے سے دُنیا بھر میں یعنی اگر حضورؐ نے کسی کے متعلق کوئی بات کہہ دی۔ مثلاً فلاں آدمی زندہ نہیں رہے گا، مر جائے گا تو وہ سُن لیتا تو اسے یقین ہو جاتا، کافر ہوتا پھر بھی یقین ہو جاتا کہ اب میں زندہ نہیں رہوں گا۔ مر جاؤں گا حضورؐ نے جو کہا ہے۔

مکّہ میں ابوجہل بہت بڑا سردار، بڑا بہادر، بڑا تجربہ کار اور دوسرے نمبر کا سردار امیّہ تھا حضورؐ نے یہ فرما دیا کہ امیّہ قتل ہوگا اور ابوجہل قتل کردائے گا۔ قتل کا سبب وہ بنے گا۔ میں تفصیل نہیں بتاتا وقت لگ جائے گا۔ مدینہ کے سردار حضرت سعدؓ مکّہ گئے اور اپنے دوست امیّہ کے ہاں ٹھہرے۔ عمرہ کی نیّت سے گئے تھے۔ احرام باندھ کر گئے۔ انہیں دیکھ کر امیّہ گھبرا گیا۔ کہنے لگا۔ کہاں جا رہے ہو۔ یہاں تو آگ لگ رہی ہے اور خون برس رہا ہے۔ نعیر نفیر کے نعرے لگ رہے ہیں۔ خوب اُچھالا جا رہا ہے۔ چلو مدینہ والوں کو تہس نہس کر دو۔ ان کی ہمت۔ ایسا کیا ویسا کیا۔ جب اُن کو معلوم ہوگا کہ تم یہاں مدینہ کے سردار آئے ہوئے ہو خدا جانے کیا حال ہو؟ کیسے تم کو عمرہ کرائیں گے، سعی طواف کرائیں گے؟ پھر سوچ سوچ کر کہنے لگا آج کل گرمیاں بہت ہیں۔ لُو چلتی ہے تو دوپہر میں سب لوگ سو جاتے ہیں۔ چلیے چلیں گے جلدی طواف سعی کر لینا تاکہ کوئی نظر نہ آئے۔ جھگڑا نہ ہو۔ یہ پلان بنا کر امیہ حضرت سعدؓ کو لے کر چلا، نکلا ہی تھا کہ سامنے سے ابوجہل آ گیا۔ اب ابوجہل نے جو حضرت سعدؓ کو دیکھا تو للکارا۔ مدینہ والے یہ ایسے یہ ویسے، ان کی اتنی ہمت، اس طریقے سے چل رہے ہیں یہاں، بھلا دیکھو تو کیا غضب ہے۔ اُس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ حضرت سعدؓ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا پاگل ہو گیا ہے۔ یہ ساری جو تم چودھراہٹ کر رہے ہو، شام کی تجارت ہے اور ہمارے یہاں سے گذرتے ہو مدینہ کے قریب سے۔ اگر تم نے بدتمیزی کی، بکواس کی تو یاد رکھو بھوکے مر جاؤ گے۔ شام نہیں جانے دیں گے۔ راستہ تمہارا بند کر دیں گے اور ساری چودھراہٹ

نکل جائے گی۔ اُدھر تو ابو جہل شور مچا رہا تھا اِدھر حضرت سعدؓ نے اس کو دھمکی دے دی تو امیّہ گھبرایا کہ جس چیز سے بچ رہے تھے کہ جھگڑا نہ ہو، یہ جھگڑا تو ابھی ہو دیا انہوں نے، مقابلے بازی شروع ہو گئی، خدا جانے کیا ہو۔ کہنے لگے سیّدِ ھٰذَالوادِیْ۔ جانتے نہیں ہو یہ مکّے کا سب سے بڑا سردار ہے۔ کس سے تم لڑ رہے ہو؟

حضرت سعدؓ نے کہا بالکل ٹھیک ہے، میں جانتا ہوں یہ کون ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ تو (یعنی امیّہ) قتل کیا جائے گا۔ یہی (یعنی ابو جہل) تجھے قتل کروائے گا۔

امیّہ نے خوشامد کر کے معاملہ ختم کیا ہوگا، لیکن جو یہ موت کی خبر سُنی کہ حضورؐ نے موت کی خبر دی ہے تو امیّہ کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہو گئے۔ زمین پاؤں کے نیچے سے نکل گئی۔ سچ بتاؤ کیا بات ہے!

انہوں نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ حضورؐ نے خبر دی ہے کہ تو قتل کیا جائے گا اور یہی ابو جہل تیرے قتل کا سبب بنے گا۔

طواف سعی کر کے گھر لوٹے تو امیّہ سیدھا بیوی کے پاس گیا۔ امیّہ بھی کافروں کا سردار اس کی بیوی بھی بڑی ظالم۔ حضرت بلالؓ کو ستانے والے یہی لوگ تھے۔ تو ایسے ظالم لوگ، دشمنوں کے سردار، لیکن جب امیّہ تنہائی میں جا کے کہتا ہے کہ سُنا تمہارے مدنی سردار کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ کہہ رہے ہیں کہ حضورؐ نے خبر دی ہے میری موت کی اور کہا ہے کہ ابو جہل سبب بنے گا۔ تو اس کی بیوی ایک تو کافر ہے نہیں مانتی، دوسرے یہ معاملہ ہے شوہر کی زندگی کا، موت کا، کہہ دیتی کہ ہم تھوڑا ہی مانتے ہیں۔ فوراً کہتی ہے سُنتے ہی، اگر انہوں نے کہہ دیا ہے تو کوئی طاقت ٹال نہیں سکتی۔ یہ ہو کر رہے گا۔ شوہر سے کہہ رہی ہے بیوی اس کی موت کے بارے میں۔ اس طرح حضورؐ کی سچائی کا یقین ایک ایک آدمی کے دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑے دن گزرے اور غزوۂ بدر کی تیاری شروع ہوئی۔ نفیر نفیر کا اعلان چلو چلو نکلو ہتھیار، پیسہ، فنڈ، والنٹیر، سب اکٹھا ہو رہا ہے سب جُوں جُوں لڑائی کے لیے نکلنے کی تیاری، ویسے ویسے امیّہ کو موت یاد آ رہی ہے کہ میں گیا اور مارا گیا۔ وہ چُھپا پھرتا ہے۔ باغ میں گاؤں میں، یہاں وہاں نکلتا نہیں کہ کسی نے مجھے دیکھ لیا تو پکڑ کر لے جائیں گے۔ چھوڑیں گے نہیں۔ ابو جہل نے آخر اس کو پکڑ لیا اور چوڑیاں

اور مسّی اور سُرمہ اور کیا اور کیا جتنے سنگھار کے عورتوں کے سامان ہوتے ہیں وہ سب دکھا دکھا کر کہنے لگا کہ اب تم کیا لڑو گے۔ تمہارے باپ دادا نے کبھی لڑائی لڑی ہو، کبھی مصیبت اُٹھائی ہو قربانی دی ہو۔ تم تو عورتوں کی طرح سنگھار کرو، چوڑیاں پہن لو۔ فلاں کرو، گھر میں بیٹھے رہو۔ خوب غیرت دلائی۔ آخر امیّہ نے کہا کہ نہیں نہیں گھبراؤ مت، میں بھی چلوں گا۔ یہ اقرار ہوگیا۔ یہ سارا منظر امیّہ کی بیوی دیکھ رہی تھی۔ ابوجہل کا تو مطلب پورا ہوگیا وہ تو اٹھ کر چلا گیا۔ امیہ کی بیوی بولی، "وہ یاد ہے۔ وہی کام ہو رہا ہے۔ دیکھ لے یہ کس لیے لے جا رہا ہے۔ قتل کرانے کے لیے۔ یہی سبب بن رہا ہے۔

امیّہ نے کہا کہ بالکل ٹھیک ہے۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ ہو تو رہا ہے سب وہی کام، لیکن میں نے بھی ایک ترکیب سوچی ہے۔ بہت اعلیٰ دبلا، بڑی اعلیٰ نسل والا ایک گھوڑا خرید کر کے رکھا ہے اور خوب کھلایا پلایا ہے، تیار کیا ہے۔ یہاں سے تو نکلوں گا ہی۔ مجبور ہوں نہیں بچ سکتا لیکن پہلی رات کو ہی جب لوگ سو جائیں گے تو میں گھوڑے پر بیٹھ کر بھاگ آؤں گا۔ نہ جاؤں گا نہ مارا جاؤں گا۔" مکّہ سے مدینہ تک گیارہ راتیں پڑتی ہیں۔ کتنی بے چینی جس کو موت سامنے نظر آ رہی ہو اس کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ لیکن جناب ساری ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود کہیں سے بھاگ نہیں سکتا۔ اسی طریق میں غزوۂ بدر میں، میدانِ بدر میں پہنچتا ہے اور مارا جاتا ہے اور حضورؐ نے جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی۔

حضرت عمر فاروقؓ بقسم کھا کر کہتے ہیں کہ قسم خدا کی کہ میرے آقا اور مولیٰ نے فوراً یہ خبر دے دی تھی کہ مکّے سے فلاں چلا، فلاں چلا، یہ لوگ آ رہے ہیں۔ جو لوگ بڑے بڑے آ رہے تھے سب کے نام بتا دیے۔ قسم خدا کی ایک آدمی بھی ان میں سے بچا نہیں۔ جن جن کی حضورؐ نے خبر دے دی تھی وہ سب کے سب آئے اور قسم کھا کر کہتے ہیں کہ حضورؐ نے میدانِ بدر میں جگہ متعین کر دی تھی کہ ابوجہل یہاں مارا جائے گا، امیّہ یہاں قتل ہوگا۔ فلاں یہاں قتل ہوگا، فلاں وہاں قتل ہوگا۔ ایک بالشت خدا کی قسم آگے پیچھے نہ تھے۔ جتنوں کی خبر دی تھی سب کے سب آئے اور جس جس کے قتل کی خبر دے دی تھی وہ سب کے سب قتل ہوئے اور جو جگہ حضورؐ نے متعین کر دی تھی ایک بالشت آگے پیچھے نہیں اسی جگہ سب کے سب پہنچ کر قتل ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے۔

حضورؐ نے کوئی بات اگر کہہ دی ناممکن تھا وہ نہ ہو۔ سو فی صد دشمنوں کو یقین تھا۔ بات یہ ہے کہ حضورؐ نہایت سچے۔ جس طرح حضورؐ کے اسم گرامی سے لوگ حضورؐ کو پہچانتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی صادق (سچا) کہہ دے تو حضورؐ کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں تھا جانا جاتا۔ اگر مکہ میں امین کہہ دیتا (امانت دار) تو حضورؐ ہی پہچانے جاتے تھے، کوئی دوسرا نہیں پہچانا جاتا تھا۔ مہمان نوازی، بیواؤں کی خبر گیری، یتیموں کا سہارا جو مٹی میں ملے ہوئے بے سہارا لوگ ان کی مدد کرتے۔ کوئی مسافر آجائے جان نہ پہچان تعلق کچھ نہیں آپ کے نہیں آیا۔ مکے میں آیا، حضورؐ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لاتے کہ آؤ بھائی میرے ساتھ آؤ ٹھہراتے کھلاتے پلاتے، خدمت فرماتے خود اپنے آپ۔ تو آپ سے زیادہ کوئی پیارا نہیں تھا، ایک آدمی بھی مکہ میں آپ کا کسی معاملہ میں مخالف نہیں تھا لیکن جب اللہ نے حکم دیا وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ الشعراء ۲۱۴ آپ اپنے رشتہ داروں کو بلائیے، ڈرائیے، دھمکائیے نصیحت کیجئے۔ تو حضورؐ نے صفا پر بلایا اور ان سے پوچھا کہ میں نے آپ لوگوں میں بچپن گزارا، جوانی لٹائی، آج تک تمہارے بیچ میں رہا۔ تم نے مجھ سے برتاؤ کیا۔ میں نے تم میں کیا جھوٹ بولا، دھوکہ دیا؟ اگر میں آج [illegible]وں کہ میں اوپر کھڑا ہوں اور تم نیچے بیٹھے ہو۔ اس پہاڑی کے پیچھے خوفناک لشکر ہے، تمہیں تباہ کرنے کے لیے آگیا ہے تو میری بات پر یقین کروگے کہ نہیں؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "آج تک کبھی آپ نے غلط بول کر دھوکہ نہیں دیا۔ بے شک یقین کریں گے۔"

ایک نے بھی انکار نہیں کیا۔ سب نے اقرار کیا۔ حضورؐ نے اللہ کے دین کو پیش کیا۔ اللہ کو مانو۔ شرک چھوڑو، برائیاں چھوڑو، کفر چھوڑو۔ سارے کے سارے مخالف ہوگئے۔ اُس دن تک مکے میں مخالف ایک بھی نہیں تھا اور اس دن تنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ایک آدمی آپ کا ساتھی نہیں تھا۔ سب کے سب مخالف ہوگئے۔

(جاری ہے)

اچھائی کا نمونہ

دوسروں کے اخلاق اچھے دیکھنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے اخلاق کی اصلاح کرو اور دوسروں کے لیے نمونہ بنو، تمہارے اچھے عمل کا اثر دوسروں پر پڑے گا اور اچھے اخلاق کے فائدے لوگوں پر ظاہر ہوں گے۔ تمہاری خوش اخلاقی دوسروں کو بھی خوش اخلاق بنا دے گی۔

——— حکیم حافظ محمد سعید "کتاب دوستاں"

افادات : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

مرتب : جناب منظور حسین صاحب (ساہیوال۔ سرگودھا)

صحابہؓ کی دل نشین انداز میں دل جوئی

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ بعد توبہ کے بھی غم میں مبتلا تھے اور یہ کسی وقت مضر ہوتا، حق تعالیٰ نے ان آیات میں اور ان کے سیاق و سباق میں اس غم کو خفیف فرمایا۔ چنانچہ ایک تسلی اوپر فرمائی فاثابکم[1] غمابغم لکیلا تحزنوا الایۃ اور اس تقریر پر لاؔ کو زائد لکھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ صاف مطلب ہے کہ ہم نے تم کو غم اس لیے دیا تھا کہ اُس کو پاداش سمجھ کر تمہارا حزن ہلکا ہو جائے، کیونکہ مطیع کے لیے یہ بھی ایک موت ہے کہ اس کی خطاء پر سزا نہ ہو وہ اس سے کچھ ہلکا ہو جاتا ہے اگر کچھ سزا دے دی جائے۔ دوسری تسلی اس آیت میں فرمائی لقد[2] عفا اللہ عنھم۔ تیسری تسلی بعد میں فرمائی فباذن اللہ الایۃ (حقیقتاً صحابہؓ کو اس سے زیادہ تسلی دینے والا کوئی مضمون نہیں ہو سکتا) کہ "اُس دن تم کو جو مصیبت پہنچی وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے پہنچی"۔ اور اگر غور کیا جاوے ان آیات میں اور بھی وجوہ تسلی متعدد ہیں مثلاً استزلّ[3] ھم الشیطان ببعض ما کسبوا اور مثلاً قد[4] اصبتم مثلیھا اور مثلاً ولیعلم[5] المومنین الایۃ (وعظ الجناح)

ازالہ حسرتِ مغلوبیت از قلوب صحابہؓ

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ (ال عمران) وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو

---

[1] ترجمہ: سو خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے" (بیان القرآن) [2] ترجمہ: "اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا"۔ [3] ترجمہ: "اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی ان کے بعض اعمال کے سبب سے"۔ [4] ترجمہ: "تو کیا ایسے وقت میں تم یوں کہتے ہو"۔ [5] ترجمہ "تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں۔

تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد کون ہے جو تمہارا ساتھ دے (اور تم کو غالب کردے) اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہیئے ۔ ف حاصل ارشاد حسرت کا یہ ہُوا کہ غالب مغلوب کرنا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے مثلاً بدر میں اپنی رحمت سے غالب کردیا۔ اُحد میں اپنی حکمت سے مغلوب کردیا۔ پس جب پُرا الوٓرا یہ امر تمہاری قدرت میں نہیں تو اس قدر اس کے پیچھے اپنے جی کو نہ ڈالو۔ جو ہوگیا ہوگیا۔ اس میں جو آفت معصیت سے آئی اس سے توبہ کرلو۔ آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو یعنی اس سے توفیق مانگو کہ معصیت سے محفوظ رکھیں اور پھر جو مصیبت نازل ہو اس کو اس کارساز کی طرف سے خیر اور مصلحت سے سمجھو۔ فقط (تفسیر بیان القرآن ج ۱ ص ۱۴۴)

میں یہ کہہ رہا تھا کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی یہ لغزش اجتہاد اور عذر کی بنا پر تھی جیسا کہ میرے بیان سے واضح ہوگیا ہوگا جس سے صحابہؓ دلگیر تھے ۔ ان کے غم کو حق تعالیٰ نے اس طرح دور فرمایا فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا ۔ یعنی تم نے ہمارے نبی کو غم دیا ہم نے اس کے بدلہ میں تم کو غم دیا اور وجہ یہ فرمائی لکیلا تحزنوا (تاکہ تم مغموم نہ ہو) ... پس اس طرح صحابہؓ سے بدلہ لے کر آئندہ کے لیے ان کے غم کو ختم کردیا ۔ مگر اس سے گو وہ غم تو ختم ہوگیا جو صحابہؓ کو بدلہ نہ لینے سے ہوتا ، لیکن ایک دوسرا غم تو باقی رہ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اُن کی طرف سے حزن تھا۔ جب چہرہ مُبارک کو دیکھتے کہ پہلی سی بشاشت نہیں ہے تو اور بھی رنج میں اضافہ ہوجاتا۔ صحابہؓ اس کی تاب کہاں لاسکتے تھے .... حضرات صحابہؓ آپ کے انقباض اور بے رُخی کو کہاں برداشت کرسکتے تھے ۔ بس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس انقباض کو دُور فرمایا۔ اس واقعہ احد سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو مسلمانوں (یعنی صحابہ کرامؓ) کی راحت کا کس درجہ اہتمام ہے ۔

اوّل لقد عفا اللہ عنھم (اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو معاف فرمادیا) فرما چکے ہیں جس سے آخرت کی طرف سے بے فکر کردیا گیا کہ تم سے وہاں گرفت نہ ہوگی ۔ اُس کے بعد ان کی دنیوی راحت کا سامان فرماتے ہیں کیونکہ اگر صرف آخرت ہی میں مسلمانوں پر رحمت مقصود ہوتی تو یہی کافی تھا عفا اللہ عنھم بلکہ اس کی جگہ اس کی اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہ تھی ۔ جب آخرت میں پہنچتے وہاں رحمت فرما دیتے ۔ مگر اس پر بس نہیں کیا گیا بلکہ دنیا میں بھی ان کو اس طرح راحت پہنچائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انقباض جو صحابہؓ کے لیے موجب کوفت تھا اس کے ازالہ کا بھی اہتمام کیا گیا ۔ اگر حق تعالیٰ کو دنیا میں صحابہؓ کو راحت

دینا منظور نہ تھا تو یہ اہتمام کیوں کیا جاتا؟

اس واقعہ میں صحابہؓ کی لغزش پر تنبیہ کر دینے کے بعد صحابہ کا غم دور کرنے کے لیے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک خاص ارشاد ہے عفو و استغفار للصحابہ کا۔ (وعظ الرحمۃ صفحہ ۴۲) وجہ یہ ہے کہ صحابہؓ میں سے بعض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے ناخوش ہو گئے تھے کہ ان سے کچھ کوتاہی (جس کا حاصل کسی قدر تجاوز حدود شرعیہ سے) ہو گئی تھی۔ گو صحابہؓ اس میں معذور تھے (اس لیے کہ بقصد تجاوز ان سے وہ کوتاہی نہیں ہوئی تھی) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حق بجانب تھے۔ اس لیے کہ گو تعمد (ارادہ) نہ تھا لیکن تاہم غفلت تو تھی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قدرے ناخوش ہو گئے تھے مگر حق تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے نیز نظر ہے بندے کے عذروں پر ..... اس لیے اللہ تعالیٰ اُن (صحابہؓ) کو معذور فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خطائیں معاف کرنے کا امر فرماتے ہیں۔

ہر چند کہ وہ حقوق جن میں صحابہؓ سے کوتاہی ہوئی تھی حقوق اللہ ہی تھے کہ قانون کے اعتبار سے ان کو معاف کرنے میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے اور قانون کے اعتبار سے میں نے اس لیے کہا کہ واقع کے اعتبار سے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بھی اختیار ہے کہ بندہ کے حقوق بھی معاف فرما دیں اس لیے کہ وہ حقوق العباد در حقیقت اللہ ہی کے حقوق ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے مالک ہیں تو بندے کے اموال اور نفس اور عزت آبرو کے بھی وہی مالک ہیں تو جو کوئی کسی بندہ کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچائے گا اس نے فی الواقع اللہ کے ملک میں تصرف کیا۔

پس اس قانون کی رو سے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو اس موقع پر کوتاہی ہوئی تھی وہ حقوق العباد کی قسم سے نہ تھی بلکہ ایک حکم شرعی میں ان سے لغزش ہوئی تھی کہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق نہیں کہہ سکتے بلکہ خاص حق اللہ کہیں گے۔ ہاں اس معنی میں حق الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی کہہ سکتے ہیں کہ احکامِ شرعیہ کی مخالفت کرنا آپؐ کے بتلائے ہوئے اور امر کیے ہوئے احکام کی مخالفت ہے مگر اصطلاحِ شرع میں اس کو حقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جاتا۔ اس کے احکام جداگانہ نہیں ہیں وہی حقوق اللہ کے احکام ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ حقوق الرسولؐ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ حق جو خود ذاتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف راجع ہے جیسے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کی چوری کر لے یا ان کو کوئی اذیت پہنچائے

دوسرے وہ کہ انہوں نے جو احکام الٰہی تعلیم فرمائے ہیں ان کی مخالفت کرے۔ قسم اخیر کو حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا مجازاً ہوگا اس لیے کہ وہ احکام خود رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بنائے ہوئے نہیں ہاں بتائے ہوئے ہیں۔ شارع تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں اور پہلی قسم حقیقتاً حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

پس صحابہؓ کی کوتاہی قسم ثانی سے ہے جو حقیقۃً اللہ تعالیٰ کے حق اور مجازاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے تو اس کوتاہی کو اللہ تعالیٰ خود معاف کر سکتے تھے چنانچہ کر بھی دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ (اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا) لیکن کیا انتہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کی کہ آپؐ سے فرمائش ہے کہ ہم نے تو معاف فرما دیا۔ آپؐ بھی معاف فرما دیں۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ فرمانے کی حکمت

اگر کوئی کہے جبکہ وہ کوتاہی محض حق اللہ تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف بھی کر دیا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاف کرانے کے کیا معنی اور وہ کونسی چیز باقی رہ گئی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی متعلق ہوگی؟

بات یہ ہے کہ ایک تو توبہ ہے، دوسری تکمیل توبہ.... حق تعالیٰ کے معاف فرمانے سے توبہ تو محقق ہو گئی لیکن تکمیل اس توبہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف کرنے سے ہوگی۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول یہ سمجھو کہ گناہ کے دو اثر ہیں۔ ایک آجل یعنی عذاب کا ہونا، دوسرے عاجل یعنی گناہ سے قلب میں ایک ظلمت کا پیدا ہو جانا، جو سبب ہوتا ہے آئندہ دوسرے معاصی کے صدور کا اور (قبولیت توبہ کے بھی دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ عذاب سے نجات ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ قلب میں ظلمت اور کدورت جو گناہ سے پیدا ہوئی تھی وہ نہ رہے)... اگرچہ حق تعالیٰ نے توبہ ان کی قبول فرمائی چنانچہ ارشاد ہے ولقد عفا اللہ عنھم لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ جاں نثار تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، اس لیے ان کا دل ابھی اس لیے صاف نہیں ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مکدر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تکدر بمقتضائے بشریت تھا اور اس کا ہونا خاصہ بشریت کا ہے اور یہ سراسر رحمت ہے.... غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت و عبدیت کے آثار سے ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ان حضرات کی طرف سے ایک قسم کی طبعاً کدورت تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کدورت سے حضرات (صحابہؓ) کے قلوب پر بھی تکدر کا اثر تھا اور ایسا تکدر اگرچہ حالاً مضر نہیں ہے لیکن احیاناً سبب بُعد کا ہو جاتا ہے اس لیے کہ جب اس کا اثر زیادہ بڑھتا ہے تو قلب ضعیف ہو کر تعطل کی نوبت آ جاتی ہے۔

شیطان کہتا ہے کہ تیرا کوئی عمل قبول تو ہے نہیں پھر کیوں بے فائدہ مشقت اٹھاتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ عمل کے اندر بشاشت قلب کو معین ہے اور تکدر کا خاصہ ہے کہ قلب میں بشاشت نہیں رہتی اور بشاشت ہی معین و محرک تھی۔ جب وہ جاتی رہی تو نرا اعتقاد رہ گیا۔ اب عمل کے اندر اُس شخص کو بڑا بھاری مجاہدہ کرنا پڑتا ہے جس پر دوام دشوار ہے۔ پس اگر یہ کدورت بڑھی اور اس کو استقرار ہو گیا تو رفتہ رفتہ اعمال چھوٹ جاتے ہیں اور جو ہمت کر کے اس حالت میں بھی عمل کرتے ہی رہے تو یا تو وہ بشاشت عود کر آتی ہے اور اگر اس نے عود نہ کیا تو یہ ہمت زیادہ نہیں چلتی اعمال رخصت ہو جاتے ہیں۔

غرض اس کدورت و انقباض کے ہوتے ہوئے دوام علی العمل سخت دشوار ہے ... بہر حال یا تو بسط ہو اور یا امید بسط کی ہو، تو عمل پر استقامت کر سکتا ہے اور اگر دونوں نہ ہو تو قلب ضعیف ہونا شروع ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ عمل چھوٹ جاتا ہے ... اس لیے باری عز اسمہ چاہتے ہیں کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اس سے بھی پاک ہو جائیں اور یہ کیفیت ان میں نہ رہے اس لیے ارشاد ہے کہ آپؐ بھی معاف فرما دیں۔ پس فبما رحمة من الله لنت لهم اس کی تمہید ہے اور فاعف عنهم مقصود ہے اور سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ اسی پر اکتفا نہیں فرمایا آگے اس کے واستغفر لهم بڑھایا یعنی آپؐ بھی معاف فرما دیجئے اور ہم سے بھی درخواست کیجئے کہ ہم معاف کر دیں۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی معاف فرما دیا تو واستغفر لهم اب تحصیل حاصل ہے؟ بات یہ ہے کہ وہ معافی تو قانونی ہے۔ اس کا اثر تو یہ ہے کہ عذاب سے نجات ہو جاوے گی۔ اب دوسری قسم جو معافی کی ہے یعنی رفع کدورت (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جس کا سبب فاعف عنهم ہو گا لیکن سبب کا وجود، تو وجود مسبب کے لیے علت تامہ نہیں یعنی آپؐ کے معاف کر دینے سے بدون حق تعالیٰ کی تصرف کی رفع کدورت ضروری نہیں کیونکہ وہ آپؐ کے اختیار میں تو نہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ نے واستغفر لهم کا امر فرمایا یعنی مغفرت کی قسم دوم کے وجود کی ہم سے درخواست کیجئے۔ (وعظ "التوکل")

اس سے پہلے فبما رحمة من الله لنت لهم اس کی تمہید ہے کیونکہ صحابہؓ کو اور تو کوئی غم نہ رہا تھا سب سے حق تعالیٰ نے تشفی کر دی تھی۔ اب صرف ایک غم رہ گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں۔ اس لیے حق تعالیٰ آپؐ کو ارشاد فرماتے ہیں فاعف عنهم۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس مضمون کو کس طرح فرماتے ہیں؟ یعنی فقط فاعف عنهم (آپؐ ان کو معاف کر دیجئے) نہیں فرمایا بلکہ اس کے پیشتر ایک تمہید بیان

فرمائی جس سے آپؐ کی جلالتِ رحمت اور جلالتِ نبوت کی خاص شان معلوم ہوتی ہے کیونکہ بدون اس تمہید کے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی انقباض زائل ہونا دشوار تھا، اس لیے اوّل ارشاد فرمایا فبما رحمۃ کہ آپؐ اپنے لین و
شانِ رحمت کو دیکھیے پھر اس کے ساتھ من اللہ بڑھایا کہ یہ رحمت حق تعالیٰ نے آپؐ کے اندر رکھی
ہے، جس سے معلوم ہوا کہ بہت بڑے درجہ کی رحمت ہے، پھر مصلحت اس رحمت کی بیان فرمائی ہے
کہ آپؐ کو نرم اس واسطے بنایا کہ اگر آپؐ فظ ہوتے یعنی ظاہر میں سخت کلام ہوتے غلیظ القلب یعنی
اگر آپؐ دل کے بھی سخت ہوتے تو نتیجہ یہ ہوتا لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ یعنی صحابہؓ آپؐ کے پاس سے
چلے جاتے، ان ارشادات کے بعد کہ متضمن ہیں خاص مراقبات کو، طبعی انقباض بھی نہیں رہ سکتا۔
پس صحابہؓ کا ہر قسم کا غم دور کر دیا گیا۔ (وعظ الرحمۃ ص۴۳)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ سے عفو اور اُن کے لیے استغفار
کا اور اُن کی دل جوئی کا حکم فرماتے ہیں۔ پس اصل مقصود تو فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم
(سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور آپؐ ان کے لیے استغفار کر دیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں سے
مشورہ لیتے رہا کیجئے) ہے اور فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم (بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپؐ
ان کے ساتھ نرم رہے) اس کی تمہید ہے۔ خود مسوق لہ الکلام اور مقصود نہیں، جس سے لین کی ترغیب
پر استدلال کیا جا سکے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ آپ ہمیشہ سے اُن کی مصلحت اضافہ کے لیے ان کے
ساتھ نرمی فرماتے رہے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ فظاظت اور غلظت کے لوازم میں سے انفضاض
ہے اور یہاں انفضاض نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ آپؐ فظ اور غلیظ القلب نہیں۔ پس اس سے تاکید ہوئی آپؐ
کی لین کی، آپؐ ہمیشہ سے ان کے ساتھ نرم رہے اُن کی عادت ہو گئی۔ اب بھی اس عادت کے موافق برتاؤ
کیجئے اور معاف کر دیجئے، تو یہاں تمہیداً لین کی خبر ہے۔ لین کا امر مقصود نہیں گو ضمناً وہ بھی مفہوم ہوتا ہے۔
یہ ہے آیت کا مطلب۔ (ایضاً ص۴۷)

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صحابہؓ کے متعلق یہ امر کیا گیا ہے کہ ان کو آپؐ کے فیوض کی حاجت ہے جس
کے لیے آپؐ کے انشراح کی ضرورت ہے اس لیے آپؐ ان کی خطا معاف کر دیجئے اور اس لغزش کی
وجہ سے جو درمیان میں انقباض اور عدمِ انشراح کا برتاؤ ہوا اس کو معاف کر دیجئے۔

سبحان اللہ اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ شان کس درجہ ظاہر ہوتی ہے

حالانکہ صحابہؓ کا قصور خدا نے معاف کر دیا تھا اور جب خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا تو اس کے بعد حضورؐ معاف نہ فرماتے؟ ضرور معاف فرماتے۔ مگر پھر بھی حضورؐ کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ بھی ان کو معاف فرما دیں مطلب اس کا یہ ہے کہ آپؐ ان کو اپنے معاف کر دینے کی بھی اطلاع کر دیجیے تاکہ ان کی پوری تسلی ہو جائے یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ کی معافی کے بعد بھی حضورؐ کے معاف نہ کرنے کا احتمال تھا، ہرگز نہیں۔ کیونکہ حضورؐ تو رضائے حق کے تابع تھے جب آپؐ کو یہ معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے تو آپؐ کیونکر ناراض رہتے۔ جس سے محبوب راضی ہو جائے اس سے محب کس طرح ناراض رہ سکتا ہے؟ کسی طرح نہیں اور حضورؐ کی شان تو بڑی ہے۔ عام اولیاء رضائے حق میں فنا ہوتے ہیں۔ جدھر حق تعالیٰ کی مرضی دیکھتے ہیں اُدھر ہو جاتے ہیں۔ (ایضاً ص۴۹)

بہرحال جب یہ برکت اتباعِ نبویؐ کی، کہ اس کی بدولت آدمی رضائے حق کی طرف خود بخود ہو جاتا ہے تو پھر بھلا حضورؐ تابع رضا کیوں نہ ہوتے۔ یعنی خدا نے جب عفا اللہ عنھم فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی خطا کیوں معاف نہ فرماتے؟ بس تطییب قلب کے لیے صحابہؓ کو اس کی اطلاع کی ضرورت تھی کہ آپؐ نے بھی معاف کر دیا کیونکہ صحابہؓ کے اس طبعی رنج کے ازالہ کا طریقہ یہی تھا کہ حضورؐ بھی زبان مُبارک سے معاف فرما دیں لقد عفوت عنکم کیونکہ عاشق کی بدون اس کے تسلی نہیں ہوتی... پس فاعف عنھم کی حکمت معلوم ہو گئی کہ صحابہؓ کی تسلی تھی۔ (ایضاً ص۵۰)

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ فرمانے کی حکمت

اس کے بعد فرماتے ہیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ کہ آپ ان کے واسطے استغفار کیجیے۔

اوّل نکتہ: اس میں اوّل تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جلالت شان کا اظہار ہے کہ مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ تمہاری معافی کی تکمیل حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے استغفار کے بعد ہو گی۔

دوسرا نکتہ: دوسرے صحابہؓ کی تطییبِ قلب ہے کیونکہ وہ اکثر خطاؤں کے لیے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے استغفار کی درخواست کیا کرتے تھے اور اس واقعہ میں خطا ایسی ہوئی تھی جس سے حضورؐ ہی کو ملال پہنچا۔ اس لیے اس واقعہ میں وہ خود استغفار کی استدعا کرتے ہوئے شرماتے تھے مگر طبعاً ان کو یہ ضرور خیال ہوتا کہ اگر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے لیے استغفار نہ کیا تو اس درجہ کی معافی نہ ہو گی جو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے استغفار کے بعد ہوتی، کیونکہ قاعدہ ہے کہ کریم کے بیٹے کی سفارش پر کچھ زائد ہی مل جاتا

ہے اور حق تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہیں مگر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حق تعالیٰ کو ایسی محبت ہے کہ کسی باپ کو اولاد سے بھی نہیں ہو سکتی، اس لیے آپ کی سفارش کے بعد مغفرتِ کاملہ کی یقینی امید ہے۔

تیسرا نکتہ: تیسرا نکتہ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ میں یہ ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معافی سے صحابہؓ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپؐ نے خطاء معاف کر دی مگر اس سے وہ اجنبیت کیسے دُور ہو گئی جو خطاء سے پیدا ہو گئی تھی اس کے لیے تو خصوصیت کی ضرورت ہے ورنہ معافی کی تو ایک یہ بھی صورت ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر کہہ دے کہ ہم نے سب خطائیں معاف کیں، کیا اس معافی سے تعلقات شگفتہ ہو گئے؟ ہرگز نہیں حق تعالیٰ نے فاعف عنھم کے بعد واستغفر لھم بڑھا کر یہ بتلایا کہ صرف عفو خطا کافی نہیں بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ آپؐ صحابہؓ سے خصوصیت کا برتاؤ کریں کہ پہلے کی طرح اس واقعہ میں بھی ہم سے ان کی مغفرت کی درخواست کریں۔

چوتھا نکتہ: نیز ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اوپر جیسا دوسرے نکتہ میں بیان ہُوا ہے کہ اس واقعہ میں صحابہؓ یہ خود کیسے کہتے کہ ہمارے واسطے استغفار کر دیجئے۔ وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی خود ہم سے خفا ہیں۔ پس جب وہ یہ عرض نہ کر سکے تو خدا تعالیٰ نے ان کا کام کر دیا۔ حاصل اس نکتہ کا صحابہؓ کی شانِ تفویض کا اور اس کی برکات کا اظہار ہے، جیسا کہ بچے کے سب کام کر دیے جاتے ہیں کیونکہ وہ خود نہیں کر سکتا ہے

طفل تا گیرا و تا پویا نبود   مرکبش جز گردن بابا نبود   ادھر

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فرمانے کی حکمت	(جب اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا یا جو قانونی معافی تھی جس کی وجہ سے آخرت کے مواخذہ سے نجات ہو گئی

اور دفع کدورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ (مرتب) حق تعالیٰ نے وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ کا امر فرمایا یعنی مغفرت کی قسم دوم کے وجود کی ہم سے درخواست کیجئے اور یہاں تک دونوں قسمیں محقق ہو گئیں لیکن اس کا اثر صرف یہ ہُوا کہ حالتِ اصلی انشراح کی لوٹ آئی مگر یہاں اور چیز کی بھی ضرورت ہے، وہ کیا؟ یعنی اس انشراح کی ترقی۔ کیونکہ اعمال میں آئندہ کو ترقی موقوف ہے زیادہ انشراح پر۔ پس رحمت پر رحمت اور نعمت پر نعمت حق تعالیٰ کی دیکھئے کہ آگے اس کی تدبیر بھی ارشاد فرماتے ہیں تاکہ ہماری یہ مقبول جماعت کسی پہلو سے ناقص نہ رہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وشاورھم فی الامر یعنی "ان سے کام میں مشورہ بھی کیجئے"، کہ ان کا انشراح ترقی پذیر

ہو کر وسیلہ ترقیِ مراتب کا ہو گا۔ اس لیے کہ مشورہ کے اندر جو مصلحتیں خاص نفسِ مشورہ کے اعتبار سے ہیں ان کے علاوہ ایک اور عجیب خاصہ ہے وہ یہ کہ اوّل یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ دیکھئے کہ مشورہ کس سے لیا کرتے ہیں ؟ مشورہ اس شخص سے لیا کرتے ہیں کہ جس میں دو وصف پائے جاویں۔ اوّل تو اس پہ پورا وثوق اور نہایت اطمینان اور اعتماد ہو اور اس کو اپنا خیرخواہ اور اس سے خصوصیت سمجھی جاوے۔ دوسرے جس امر میں مشورہ کیا جاوے اس کے اندر وہ صاحبِ بصیرت ہو۔ اسی واسطے بعض مرتبہ بھائی سے مشورہ نہیں کرتے بلکہ دوست سے کرتے ہیں۔ غرض مشورہ ہر شخص سے نہیں لیا جاتا۔ پس جس شخص سے مشورہ لیا جاوے گا تو اس کو پہلے سے اور زیادہ تعلق بڑھ جاوے گا۔ اس لیے کہ وہ اس سے استدلال کرے گا کہ ہماری بات پر اس کو پورا اطمینان ہے، ہماری دیانت پر اس کو اعتماد ہے اور ہم کو اس قابل سمجھتا ہے کہ ہم سے امرِ خاص میں مشورہ لیا جاوے۔ اس سے دل بڑھ جاوے گا اور دل کے بڑھ جانے کو بڑا دخل ہے اعمالِ صالحہ کی ترقی میں۔ پس یہ راز ہے اس کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امر فرمایا کہ ان سے مشورہ لیجئے تاکہ وہ انشراح ان کا اور زیادہ بڑا ہو کر سبب ہو جاوے اعمالِ صالحہ کے اندر ترقی کا، جو سبب ہے قرب کا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شیخ کامل مربی وہ ہے جو طالب کے دل کو بڑھاتا ہے اور دلجوئی اور تسلی کرتا ہے (وعظ التوکل ص۱)

تسلی شیخ کا بڑا دخل ہوتا ہے ترقیِ باطن میں اور دلجوئی و تسلی کا سبب

کسی شاگرد یا مرید کی اگر دعوت کر دو یا کوئی شے دے دو۔ مگر کسی شے وہ اس قدر استدلال عنایت و مہربانی پر نہیں کر سکتا جس قدر کہ اس سے کر سکتا ہے کہ اس کو بلا کر یہ کہہ دو کہ ہم کو تم سے ایک صلاح کرنا ہے۔ سنتے ہی اس کا دل ہاتھوں ہاتھ بڑھ جائے گا کہ ہم کو انہوں نے اپنا مخصوص سمجھا ہے اور ہم تو آج سے وزیر بن گئے ہیں۔ میرے نزدیک تو کوئی شی تسلی کے اندر اس قدر دخیل نہیں جس قدر صلاح (مشورہ) لینا ہے۔ جس کی دلجوئی کرنا ہو سیدھی بات ہے کہ بلا کر یہ کہہ دو کہ ہم کو تم سے کچھ صلاح کرنا ہے۔ فوراً اس کو خیال ہوگا کہ یہ ہم سے بہت خوش ہیں ورنہ اگر ناراض ہوتے تو مشورہ کیوں لیتے ؟ اس لیے ارشاد ہوا کہ ـــ وشاورھم فی الامر (یعنی ان سے کام میں مشورہ کیجئے (ایضاً ص۲۱) تاکہ ان (صحابہؓ) کو بھی اطمینان ہو جائے کہ آپؐ نے ان کی طرف سے دل صاف کر لیا ہے۔ اس میں محض حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عنایات کو صحابہؓ کے حال پر بڑھانا مقصود ہے۔ (وعظ "الصبر بالصبر" ص۹)

ہر پہلو سے صحابہ کی دلجوئی و تسلی : کیا ٹھکانہ ہے رحمتِ خداوندی کا کہ اپنے بندوں کو دینے

صحابہ کرام رضؓ کو کسی درجہ میں غمگین نہیں رکھتے بلکہ ہر پہلو سے ان کے رنج کو دور کرنے کی تدابیر فرماتے ہیں بھلا کہاں خدا اور کہاں بندہ اور پھر یہ توجہ۔ بس اس حقیقت کو یا تو اس طرح تعبیر کیجئے کہ "خدا کو کیا ضرورت تھی؟ محض فضل و رحمت ہے یا اس طرح کہیئے کہ خدا ہی کی شان ہے کہ بلا غرض اتنی توجہ فرماتے ہیں۔ غرض جس طرح چاہے تعبیر کیا جاوے۔ ہر حال میں اس سے غایت درجہ کی توجہ معلوم ہوتی ہے اور یہ محض رحمت ہے ورنہ خدا کی شان تو اتنی برتر ہے کہ اگر وہ بندہ کی طرف مطلق التفات نہ فرماتے تو ان کو اس کا حق تھا اگر بندہ برسوں بھی پکارتا تو وہاں شنوائی نہ ہوتی۔ (وعظ الرحمۃ ص۳۵)

بہر حال حق تعالیٰ نے صحابہؓ کے غم کو جس طرح ہلکا کیا ہے اس کی وہ حالت ہے جیسے بلا تشبیہ ماں باپ بچہ کے ساتھ کرتے ہیں کہ بچہ کو حد سے زیادہ رنج دینا نہیں چاہتے کبھی سزا دے کر جب یہ دیکھتے ہیں کہ اس کو زیادہ تکلیف ہوئی یا بہت رنج ہوا تو گلے لگا لیتے ہیں۔ یہی معاملہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جس کی شان یہ ہے کہ ؎

دل فدائے او شد و جان نیز ہم
درد از یار است و درمان نیز ہم

(وعظ الصبر بالصبر ص۱)

جناب مولانا مفتی طفیل احمد صاحب جالندھری (فاضل دیوبند) خطیب جامع مسجد اوکاڑہ شہر

رسالہ "حق چار یار رضؓ" ماہ ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ کا شمارہ موصول ہوا - چونکہ ماہ مبارک ربیع الاوّل کی وجہ سے رسالہ کے مضامین سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمتِ صحابہ رضؓ پر مشتمل ہیں، اس لیے اس شمارہ کی ایک ایک سطر حرزِ جان بنانے کے قابل ہے۔ پڑھتے وقت یہ منظر بالکل پیش نظر رہا ہے ؎

یزیدک وجهه حسنا اذا ما زدته نظرا

فتنۂ روافض اور فتنۂ خوارج نے دینِ اسلام کی حقیقی بنیادوں کو ہمیشہ جڑ سے اکھاڑنے کی کوشش کی۔ ہر دور میں علمائے حق نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور وہ علمائے حق اپنی کوششوں میں کامیاب اور کامران ہوئے۔

متحدہ ہندوستان میں اللہ تعالیٰ نے امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ کو پیدا فرمایا۔ انہوں نے ان فتنوں کی خوب سرکوبی اور استیصال فرمایا۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اہل سنت والجماعت کی تائید میں اور فرقہ روافض کی تردید میں ان سے بہت کام لیا۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ "اگر مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنویؒ جیسا ایک اور عالم ردّ رافضیت میں پیدا ہو جاتا تو ہندوستان میں روافض کے فتنہ کا کافی حد تک خاتمہ ہو جاتا"۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا کرم الدین صاحب دبیرؒ رئیس بھیں ضلع جہلم نے بھی ردّ روافض میں خوب خدمات سر انجام دیں جو نہایت قابلِ قدر ہیں۔ ان کی ردّ روافض میں مشہور کتاب "آفتابِ ہدایت" روافض کے لیے تا قیامت درد سر بنی رہے گی۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد عموماً اور ایران میں خمینی جیسے دشمنِ صحابہ رضؓ کے نمودار اور ظاہر

ہونے کے بعد خصوصاً روافض کے حوصلے بلند ہو گئے۔ خمینی کی شیعہ تحریک دہشت گردی کو بعض مصلحت پسند سیاست دانوں نے اسلامی جہاد اور انقلاب کا نام دے کر روافض کے حوصلے بلند کر کے ہند و پاک میں خوب ریشہ دوانیوں کا موقعہ فراہم کر دیا۔ ایسے خطرناک اور نازک موقع پر اللہ پاک نے قائد اہلسنت حضرت قاضی مظہر حسین (چکوال) (جو میرے آقا شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے پاکستان میں جانشین ہیں) کو فتنہ روافض اور جدید و قدیم خوارج کی تردید کے لیے منتخب فرمایا۔ آپ نے اس سلسلہ میں متعدد کتب تصنیف فرمائیں جو قابلِ دید ہیں پھر گذشتہ سال ماہانہ رسالہ "حق چار یار رضؓ" جاری فرما کر پوری اُمتِ مسلمہ پر احسان عظیم فرمایا۔ نام ایسا پیارا رکھا کہ رسالہ کا نام مبارک ہی عقیدہ خلافت راشدہ، آیت استخلاف اور آیت تمکین فی الارض کی پوری پوری نشان دہی اور غمازی کر رہا ہے۔ خلافت راشدہ کے مفصل مضامین صرف ایک نام ہی سے دریا میں کوزہ کو بند کرنے کا مصداق بن رہے ہیں۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ قبلہ قاضی صاحب مدظلہٗ کو ہمارے سروں پر تا دیر سلامت رکھے۔

اس بندہ ناچیز کی ہر اہل سنت والجماعت سے پُر زور درخواست ہے کہ رسالہ "حق چار یار رضؓ" کا خریدار بن کر حضرات صحابہ کرام رضؓ کی محبت کا عملی ثبوت دے۔

جنابِ مولانا حافظ اکرام اللہ جان صاحب قاسمیؔ فاضل دیوبند (ایم اے) سرڈھیری، پشاور

مدرسۃ البنات الاسلامیہ کی تعمیر جدید میں کچھ ایسا ہی مصروف تھا کہ "حق چار یار رضؓ" کا پرچہ برابر ملتا رہا مگر چند ایک سطور لکھنے کی بھی مہلت نہ تھی اور اب جبکہ "حق چار یار رضؓ" کے کئی پرچے منظرِ عام پر آگئے ہیں پرچہ کے اجراء پر مبارکباد اور اظہارِ مسرت سے شرم سی بھی آرہی ہے کہ یہ کام مجھے روزِ اوّل کرنا چاہیئے تھا۔ تاہم ادارہ کے کارکنان یعنی حضرت اقدس قاضی صاحب مدظلہٗ سے لے کر ایک ادنیٰ خادم تک کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے یہ خوشخبری سُنائی ہے کہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ہر شخص کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جسے وہ محبوب رکھتا ہے۔ آپ حضرات کی محبت صحابہ کرام رضؓ کے ساتھ اظہر من الشمس ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ ایک عظیم اعزاز ہے کہ قیامت میں صحابہ رضؓ کے ساتھ حشر ہو۔

رسالہ حق چار یار رضؓ سُنیّوں کے دلوں کی دھڑکن ہے حضرات صحابہ کرام خصوصاً خلفاءِ راشدین رضؓ کے تحفظِ ناموس کا علمبردار ہے اور دینِ اسلام کی ایک اعلیٰ خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ خدا

کرے ہمارا یہ رسالہ پھلے پھُولے اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔

جناب انجم نیازی صاحب اسسٹنٹ ڈائریکٹر، لوکل گورنمنٹ، راولپنڈی

میں انتہائی نادم ہوں کہ آپ کو بروقت اپنے احساساتِ تشکر نہ پہنچا سکا "حق چاریار رضؓ" کے سارے شمارے مجھے ملتے رہے مگر میری طرف سے خاموشی رہی۔ اس کی معذرت چاہتا ہوں مجھے حضرت قاضی صاحب سے پُرانی نیازمندی ہے۔ ان کا دم غنیمت ہے۔ میں ایک معمولی سا شاعر ہوں۔ اپنی بساط کے مطابق اصحابِ رسولؐ کی منقبت لکھتا رہتا ہوں۔ مناقب کا ایک مجموعہ "کرنیں ایک ہی مشعل کی" بمشکل ۵۰۰ جلدیں اپنے خرچ پر چھپوا سکا۔ خیال تھا کہ ان کی آمدنی سے حصہ دوم اور اسی طرح حصہ سوم چھپوا سکوں گا۔ مگر اہل سنت والجماعت کی طرف سے تعاون حاصل نہ ہو سکنے کے باعث یہ سلسلہ رکا ہُوا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق مناقب کا مجموعہ کتابت ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہُوا تو کسی نہ کسی طرح چھپ جائے گا۔ اسی طرح "کرنیں ایک ہی مشعل کی" کا دوسرا حصہ بھی بالکل تیار پڑا ہے۔ معاف کرنا میں اور بکھیڑے لے بیٹھا۔ خط لکھنے کا مقصد شکریہ ادا کرنا تھا اور اپنی دلی مبارکباد پیش کرنا تھا کہ آپ اس نازک دَور میں حضرت قاضی صاحب کی سرپرستی میں ایک ایسا کارنامہ سر انجام دے رہے ہیں اور بروقت انجام دے رہے ہیں جو باوسائل ادارے بھی بمشکل ہی انجام دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں کو بار آور فرمائے۔ ایک منقبت بھیج رہا ہوں۔ پسند آئے تو "حق چاریار رضؓ" کے شمارے میں شامل فرما دیجئے گا۔

جناب مولانا عبید اللہ صاحب چترالی، مہتمم دارالعلوم تعلیم القرآن، باڑہ گیٹ پشاور

اللہ تعالیٰ نے ماہنامہ حق چاریارؓ لاہور کو رفض و بدعات کے خلاف (بغیر افراط و تفریط اور شائستہ طرز و طریق استعمال کرنے کے) بہت اعلیٰ طریقے سے جہاد بالقلم کی توفیق مرحمت فرمائی ہے کئی شمارے کے ملاحظے کے بعد مجھے تو اسی کا امتیاز معلوم ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس دَور میں دین اسلام میں شگاف ڈالنے اور اہلِ حق کو نابود کرنے کے لیے سب سے خطرناک ترین سازش فتنۂ سبائیت و خمینیت ہے۔ اس فتنہ کے تعاقب کی اللہ پاک نے قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم کو بطورِ خاص توفیق دی ہے۔ قاضی صاحب نے جس انداز سے خمینیت کا تعاقب کیا وہ حقیقتوں کا عکاس اور شائستگی سے بھرا ہوا ہے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ "حق چاریار رضؓ" کے ذریعہ انشاء اللہ

امتِ مسلمہ خمینی ریشہ دوانیوں سے آگاہ ہو جائے گی اور شیعی زہر کی سرایت سے سادہ لوح مسلمانوں کی حفاظت ہوگی۔ ساتھ ساتھ یہ درخواست بھی ہے کہ خمینی فتنہ کے ساتھ ساتھ فتنۂ سبائیت کا دوسرا کردار فتنۂ آغاخانیت کو بھی رسالہ کے بنیادی موضوع میں شامل کیا جائے تو یہ ایک بہت بڑی خدمت ہوگی کیونکہ خمینیت کی سرکوبی دوسرے لوگ بھی کسی حد تک کر رہے ہیں مگر "آغاخانیت" سے مسلسل تغافل برتا جا رہا ہے جبکہ یہ زہر تیزی سے مسلمانوں میں سرایت کر رہا ہے اور اس نے کراچی سے لے کر چترال و گلگت تک کے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

ہماری دُعا ہے کہ اللہ پاک آپ حضرات کو توفیق مزید اور رسالے کو شہرت و مقبولیت سے نوازے!

جناب مولانا قاری محمد رمضان صاحب۔ مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

آپ کا مؤقر و قیع ماہنامہ "حق چار یارؓ" اس دورِ ظلمت و فساد اور بے دینی و الحاد میں ایک چراغ نور و ہدایت بن کر صحافت کے افق پر طلوع ہوا اور ایسا چڑھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے خوب چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ یہ سب قائد اہلسنّت وکیل صحابہؓ اور اسلام کے بوڑھے جرنیل حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم کے اخلاص و سوز دروں کے برکات ہیں اور یقین ہے آئندہ بھی روشن اور تابناک ہوگا۔ وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ۔ جب سے ہمارے حلقۂ احباب بالخصوص حقانی برادری میں آپ کا پرچہ آنے لگا تب سے یہاں کے اہلِ علم حضرات میں سُنّیت کی واقفیت اور اہمیت ایک حقیقت بن کر سامنے آئی ہے۔

جناب منشی فضل احمد صاحب حاجی پورہ سیالکوٹ

ماہنامہ "حق چار یارؓ" کے تازہ شمارہ میں ادارتی مضمون معجزات نبوی اور عصر حاضر بار بار پڑھنے کے قابل تھا۔ یہ مضمون تحریر فرما کر قاضی صاحب نے صحابہ کرامؓ کے دشمنوں پر کاری ضرب لگائی ہے دیگر مضامین بھی اچھے ہیں۔ منظوم کلام شائع کر کے رسالہ کو مزید بہتر بنا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ "حق چار یارؓ" کے عملے کو ہمت دے کہ رسالہ کو مزید بہتر بنائیں اور جو کام دفاع صحابہؓ کے سلسلے میں انجام دے رہے ہیں اس میں کامیاب و کامران ہوں۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۴۵۸ ماہنامہ "حق چار یار رضؓ" لاہور فون نمبر ۴۲۶۱۰۷